نماز تراویح میں رکعات کی تعداد

(نماز تراویح کے تعلق سے وارد قرآنی آیات

اور قولی و فعلی سنتوں کے درمیان تطبیق کی کوشش)

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر ابراہیم بن محمد الصبیحی

استاذ شعبہ حدیث و علوم حدیث

جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: میں اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح میں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ رات اور دن میں جو جتنی چاہے نفل نمازیں پڑھے، میں اس پر کسی کو نہیں ٹوکتا ہوں، البتہ اگر کوئی شخص طلوع وغروب آفتاب کا خیال کئے بغیر ایسا کرتا ہے تو میں اسے روکتا ہوں۔

(صحیح بخاری، حدیث نمبر:589)

مقدمہ طباعت دوم[1]

إن الحمد لله نحمده، ونستعينه ونستهديه ونعوذ به من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.........

أما بعد:

(ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، ہم اس کی تعریف بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد وہدایت کے طالب ہیں، ہم اپنی ذات کی برائیوں اور اپنے اعمال بد سے اس کی پناہ چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ جسے ہدایت سے نواز دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔)

رات میں بکثرت نفل نمازوں کی ادائیگی پر آمادہ کرنے والی بہت سے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ وارد ہیں۔ رات کی نفل نمازوں کی تعداد رکعات پر گفتگو کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس سے متعلق جو کچھ اللہ کی کتاب میں وارد ہے اور اس سے متعلق جو احادیث نبویہ ہیں، ان سب پر غور کرے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ احادیث میں وارد ہے صرف اسی کو سامنے رکھنا اور اس تعلق سے جو کچھ قرآن مجید میں وارد ہے اس سے صرف نظر کرنا استدلال کے معاملہ میں کوتاہی کا ثبوت ہے۔ میں نے تراویح کی نماز میں رکعات کی تعداد سے متعلق بہت سی تحریروں میں یہ دیکھا ہے کہ صرف عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث پر اعتماد کیا گیا ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان وغیر رمضان میں (رات کی نماز میں) گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(1) پہلی طباعت میں مقالہ کا عنوان تھا "عدد صلاۃ التراویح" (نماز تراویح کی تعداد) چونکہ اس مقالہ میں نماز تراویح میں رکعات کی تعداد کو بیان کرنا مقصود ہے اس لئے میں نے اس رسالہ کا عنوان تبدیل کیا ہے۔ اب اس کا عنوان ہے "عدد رکعات التراویح" (نماز تراویح کی رکعات کی تعداد)

اس روایت کے مراد کی تعیین میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اشکال اس میں ہے کہ تراویح اور قیام اللیل (تہجد کی نماز) میں رکعات کی تعداد کی تعیین کے لئے اسے حجت قطعی مان لیا گیا ہے اور اس پہلو پر غور نہیں کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قیام اللیل کے وقت کو طویل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس پر بندوں کو آمادہ کیا ہے۔

میں نے اپنے اس مقالہ میں اس موضوع سے متعلق قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویہ دونوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور ان تمام نصوص کے درمیان تطبیق دینے کی بھی کوشش کی ہے تاکہ راجح قول تک رسائی ممکن ہو۔ مجھے امید ہے کہ یہ منہج اس مقالہ کو اس موضوع پر لکھی گئی دیگر تحریروں سے ممتاز کرے گا۔

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ شرعی دلائل کے تفقہ میں مشغول اہل علم کے درمیان نقطۂ نظر کا اختلاف ہوتا ہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص کی عقل و فہم کا معیار یکساں نہیں ہے نیز نصوص پر غور و فکر کرنے کے لئے جو علمی استعداد مطلوب ہے اس میں بھی لوگ ایک دوسرے سے متفاوت ہوتے ہیں۔ ان حقائق کے باوجود علم دین سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ کسی مسئلہ کو سمجھنے میں اختلاف ہو جانے کی وجہ سے اپنے دینی بھائیوں کی حیثیت اور حقوق کو فراموش کر دیتے ہیں اور نقطۂ نظر کے اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کے بارے میں ایسی باتیں کہتے یا لکھتے ہیں جو گناہ کے دائرہ میں آتی ہیں، جن کی وجہ سے دلوں میں بغض و کینہ پروان چڑھتا ہے، اس کی وجہ سے مسلمانوں کی جماعت کا شیرازہ منتشر ہوتا ہے اور گروہ بندی پنپتی ہے۔ حالانکہ اہل علم کے لئے ضروری یہ ہے کہ وہ اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرنے کی روش پر باقی رہیں، کیونکہ شرعی دلائل میں غور و فکر کی صلاحیت رکھنے والا ہر مجتہد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماجور ہے۔ اگر اس کا اجتہاد صحیح ہے تو اس کے لئے دو اجر ہے اور اگر وہ اجتہاد میں غلطی کرتا ہے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ ایسے میں دوہرا اجر پانے والے مجتہد کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایک اجر والے مجتہد کے حق کو پامال کرے اور نہ ایک اجر پانے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ دو اجر پانے والے کی غلطی کو دوہرائے، اس لئے کہ ہر مجتہد اللہ کی رضا کو پانے کے لئے کوشش کر رہا ہے۔

آج کے دور میں سنت کے کچھ شیدائیوں کا یہ رویہ سامنے آ رہا ہے کہ وہ قیام اللیل (نماز تہجد) اور نماز تراویح میں متعین رکعات پر اکتفاء کو واجب سمجھتے ہیں اور اُن متعین رکعات سے زیادہ پڑھنے والے کو بدعتی کہتے ہیں۔ وہ اپنے طور پر اِس رویہ کو سنت کی تائید و حمایت اور بدعت کی بیخ کنی کا نام دیتے ہیں۔ اس کی مثال وہ ہے جس کا مشاہدہ میں نے 1407ھ میں امریکہ کے ایک دعوتی سفر کے دوران کیا تھا۔ میں وہاں عشاء کے وقت ایک اسلامی مرکز میں پہنچا۔ وہاں کے امام تئیس (23)

رکعات تراویح کی نماز ادا کر رہے تھے، میں نے ان کی متابعت کی تاہم عرب مسلمانوں کی ایک جماعت امام کے ساتھ دس رکعات نماز تراویح ادا کرنے کے بعد تراویح کی جماعت سے الگ ہوگئی، پھر ان لوگوں نے تنہا نماز وتر ادا کی، اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

امام کے ساتھ تئیس (23) رکعات نماز ادا کرنے کے بعد میں امام کی متابعت نہ کرنے والوں میں سے کچھ لوگوں سے ملا۔ ان لوگوں نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ نے اس بدعتی نماز میں امام کی متابعت کیوں کی؟ میں نے ان سے کہا کہ اِس موضوع پر فجر کی نماز کے بعد بات کی جائے گی اس لئے کہ میں سفر کی وجہ سے تھکا ہوا ہوں اور امام کی متابعت نہ کرنے والے اکثر لوگ گھر جا چکے ہیں، وہ اِس موضوع پر ہماری گفتگو نہیں سن پائیں گے۔ ان لوگوں نے میرے خیال کی تائید کی۔ نماز فجر کے بعد تمام عرب بھائیوں سے ملاقات ہوئی۔ وہ کل تئیس افراد تھے۔ میں نے انہیں اس امام کی متابعت کرنے کا سبب بتایا جنہوں نے تئیس (23) رکعات نماز تراویح ادا کی تھی۔ میں نے انہیں کتاب و سنت کے دلائل اور جمہور ائمہ کے موقف کی روشنی میں بتایا کہ رات کی نفل نمازوں میں رکعات کی کوئی متعین تعداد نہیں ہے جس کا التزام واجب ہے۔ نیز میں نے اماموں سے اختلاف کی قباحتوں کو بھی ان کے سامنے رکھا۔ الحمدللہ وہ لوگ میرے موقف کے قائل ہوگئے۔

اگلی رات ان سب نے امام کے ساتھ تئیس (23) رکعات نماز تراویح ادا کی، ان میں سے کوئی بھی دس رکعات کے بعد جماعت تراویح سے الگ نہیں ہوا۔ میں نے اس بات کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنی اطاعت پر دلوں کو اکٹھا کر دیا۔ واضح رہے کہ اس مرکز کے امام ہند نژاد تھے۔

نماز کے بعد میں نے اپنے ایک مختصر خطاب میں لوگوں کو نیکی اور تقوی کے معاملہ میں ایک دوسرے کا تعاون کرنے اور اختلاف و انتشار سے بچنے کی تلقین کی۔ میرے خطاب کے بعد ایک ہند نژاد بھائی نے اپنی گفتگو میں نماز تراویح کے سلسلہ میں اختلاف ختم ہو جانے کو سراہا اور اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس اسلامی مرکز سے جڑے ہم تمام لوگ سال بھر نیکی و تقوی کے معاملہ میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے اظہار محبت و مودت کرتے ہیں، مگر رمضان آتے ہی نماز تراویح کو لے کر ہمارے درمیان اختلاف و انتشار کا ماحول بن جاتا ہے۔ اس مرکز کے قیام کے بعد سے آج پہلا موقع ہے جب سب نے نماز تراویح ایک ساتھ اتحاد و اجتماعیت کی فضا میں ادا کی ہے۔ ہم اس کے لئے اللہ پاک کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ نوجوان نماز تراویح میں ائمہ حرمین کی متابعت نہیں کرتے ہیں اور پابندی سے صرف گیارہ رکعات ادا کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ لوگ ائمہ حرمین کے ساتھ مکمل نماز تراویح ادا کرنے والوں کو متعصب حنابلہ کا نام دیتے ہیں۔ انہیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس خیر سے اپنے دامن مراد کو بھرنے سے محروم رہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب و پسندیدہ ہے۔

فضیلت مآب شیخ دکتور حمد بن عبدالعزیز خضیری جو ریاض کی ہائی کورٹ کے جج ہیں، اللہ انہیں مزید توفیق سے نوازے، نے مجھے ایک مکتوب ارسال کیا تھا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ مدینہ منورہ میں منصب قضا سنبھالنے کے بعد 1413 ھ کے ماہ رمضان میں ان کے ایک ہم سبق ساتھی فضیلۃ الشیخ شعیب بن زید لسوما جو یوگینڈا میں تبلیغ و دعوت کے کام سے جڑے ہوئے ہیں، ان سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ انہوں نے بتایا کہ ہر سال ماہ رمضان میں ان کے علاقہ میں نماز تراویح کی رکعات کو لے کر ایک مشکل درپیش ہوتی ہے۔ اس خطہ کے لوگ بہت عرصہ سے تیئیس (23) رکعات تراویح کی نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ پھر یہ ہوا کہ ملک کے باہر کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والے کچھ افراد نے اس علاقہ میں آکر تراویح کی اس قدیم روایت پر نکیر کی اور لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھنے کا پابند بنانے کی کوشش کی۔ اس کی وجہ سے نمازیوں کے درمیان اختلاف اور مباحثہ کی صورت حال پیدا ہوگئی۔ کیا اس مشکل کا کوئی حل ہے؟

شیخ حمد نے آگے لکھا کہ میں نے انہیں یہ کتابچہ "نماز تراویح میں رکعات کی تعداد" (طباعت اول) دیا اور ان سے کہا کہ مجھے پوری امید ہے کہ رکعات تراویح کے موضوع پر لکھی گئی یہ تحریر نمازیوں کے درمیان پیدا شدہ اختلاف و انتشار کی صورت حال کو ختم کر دے گی۔ ایک سال بعد وہ دوبارہ ملاقات کے لئے تشریف لائے تو میں نے ان سے ان کے ملک میں دعوت و تبلیغ کی صورت حال کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ سب لوگ الحمد اللہ خیر وعافیت کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے رکعات تراویح کو لے کر نمازیوں کے اختلاف کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے یوگینڈا پہنچ کر اس مذکورہ رسالہ کو ان طلبائے علم کے سامنے پڑھا جو تیئیس (23) رکعات کے صحیح ہونے کے قائل تھے۔ رسالہ کی قراءت کے اختتام پر سب لوگ اس بات کے قائل ہوگئے کہ تیئیس (23) رکعات تراویح پڑھنے سے متعلق لوگوں کا عمل اسلاف امت کے عمل کے مطابق ہے اور ایسا کرکے ان لوگوں نے کتاب و سنت کی مخالفت نہیں کی ہے۔ اس طرح سب لوگ تیئیس (23) رکعات تراویح پڑھنے پر متفق ہوگئے۔ اس کے بعد میرے ساتھی نے مجھے اور مذکورہ رسالہ کے مؤلف کو اپنی دعاؤں سے نوازا۔ میں نے اس

توفیق ربانی اور رب سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت پر لوگوں کے اتحاد واتفاق کے لئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

تحریر کردہ: دکتور حمد بن عبد العزیز خضیری، جج ہائی کورٹ ریاض

گیارہ رکعات سے زیادہ تراویح پڑھنے کی مخالفت کرنے والے لوگوں کا سب سے اہم مرجع ومأخذ محدث شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کا تحریر کردہ رسالہ "صلاۃ التراویح" ہے۔ اس رسالہ میں انہوں نے کہا ہے کہ گیارہ رکعات کا التزام واجب ہے۔ انہوں نے اِس میں رکعات کا اضافہ کرنے سے منع کیا ہے اور تیرہ رکعات سے زائد پڑھنے والے کو چار رکعات کی فرض نماز میں پانچویں رکعت کا اضافہ کرنے والے کے مثل قرار دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں یہ بات بصراحت لکھی ہے۔[1]

شیخ البانی رحمہ اللہ نے صرف نماز تراویح میں رکعات کی تعیین وتحدید پر اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے تمام نوافل میں رکعات کے اضافہ سے منع کیا ہے۔

ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل کی جس طرح ادائیگی کی ہے اُسی پر اکتفاء کرنا واجب ہے۔ اپنے اس موقف کے لیے وہ معروف حدیث "صلوا كما رأيتموني أصلي" (تم لوگ اُسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے) کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے قیام اللیل کے تعلق سے قرآن مجید کی آیات کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ انہوں نے تراویح سے متعلق احکام کے اثبات میں جو کچھ احادیث میں وارد ہے اُسی کو سامنے رکھنے پر اکتفاء کیا ہے۔ اِس کی وجہ سے ان کا موقف ان قرآنی آیات کے برخلاف ہے جن میں قیام اللیل کی کثرت پر آمادہ کیا گیا ہے۔ اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کی یہ نماز کسی متعین تعداد تک محدود نہیں ہے۔

اِسی وجہ سے میرے اندر ایک ایسا مقالہ تحریر کرنے کا داعیہ پیدا ہوا جس میں نصوص کے جمع وتطبیق کے صحیح منہج کو بیان کروں اور اس منہج کی روشنی میں شیخ البانی نے نماز تراویح اور دیگر نوافل میں تعداد رکعات کی تحدید کا جو موقف پیش کیا ہے اس کے ضعف کو واضح کردوں۔ مجھ سے پہلے بھی اہل علم کی ایک جماعت نے البانی کے رسالہ تراویح کا رد کیا ہے۔ ان ردود

---

(1) صلاۃ التراویح، ص(32)

میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے ان کے مشتملات کو میں نے دیکھا ہے۔ دوران مطالعہ میں نے یہ محسوس کیا کہ ان ردود میں شیخ البانی کے تحریر کردہ رسالہ کے چند اہم پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے تاہم نصوص کے جمع و تطبیق کے تعلق سے شیخ البانی نے جو اصولی منہج اختیار کیا ہے اس پر بحث نہیں کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں قیام اللیل کے وقت کو طویل کرنے کے تعلق سے جو قرآنی آیات وارد ہیں ان سے استدلال نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے محسوس ہوا کہ اِس موضوع پر از سر نو لکھنے کی ضرورت باقی ہے۔ خاص طور پر اِس صورت حال میں کہ جو لوگ شیخ البانی کے رسالہ سے متاثر ہیں وہ اس کے رد میں لکھی گئی تحریروں سے مطمئن نہیں ہیں؛ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نماز تراویح میں رکعات کی تحدید کے لیے شیخ البانی کا استدلال اور ان کا اختیار کردہ منہج صحیح ہے۔ لہذا میں نے دین اور اپنے مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی کے مد نظر مسئلہ کے اس پہلو پر روشنی ڈالنے کی ضرورت محسوس کی جس پر شیخ البانی کے موقف کا جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ زیر بحث مسئلہ کے دیگر پہلوؤں کے معاملہ میں میں نے سابقہ ردود کے مشتملات کو کافی سمجھا ہے تاکہ کلام کی تکرار سے بچا جاسکے۔

اس مقالہ میں میرا منہج

میرا یہ مقالہ ایک تمہید اور تین مباحث پر مشتمل ہے۔

تمہید: میں نے اس کے تحت رخصتوں اور شاذ اقوال کے پیچھے بھاگنے کی ممانعت کو بیان کیا ہے۔

پہلا مبحث: نماز تراویح کے احکام کا بیان۔ میں نے اس عنوان کے تحت قیام اللیل (نماز تہجد) کی افضلیت کی نوعیت پر گفتگو کی ہے۔ میں نے اس میں وقت تہجد کے طویل ہونے اور نماز تہجد کے طویل ہونے کی فضیلت بیان کی ہے۔ پھر اِس پہلو پر روشنی ڈالی ہے کہ کیا رات کی نماز میں رکعات کی تعداد مراد ہے؟ اس کے بعد نماز تراویح کو ہلکی کرنے اور تراویح میں تعداد رکعات کی کثرت کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔ پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد نماز وتر سے پہلے جفت رکعات ادا کرنے پر اپنی ختم کی ہے۔ یہ پہلا مبحث دراصل دوسرے مبحث میں کئے گئے شیخ البانی کے موقف کے رد کی تمہید ہے۔

دوسرا مبحث: شیخ البانی رحمہ اللہ کے رسالہ "صلاۃ التراویح" کا تنقیدی جائزہ۔ میں نے اِس مبحث کو نماز تراویح میں تعداد رکعات کی تحدید کے لئے کئے گئے استدلال کے تنقیدی جائزہ کے لئے خاص کیا ہے۔ ساتھ ہی ان مسائل پر بھی روشنی ڈالی

ہے جن میں شیخ البانی نے قولی و فعلی سنتوں کے درمیان جمع و تطبیق اور نصوص سے استنباط کے طریقہ میں محدثین اور اصولیین کے منہج کی خلاف ورزی کی ہے۔

تیسرا مبحث: شیخ محمد عثیمین رحمہ اللہ کے دو مقالے کا تنقیدی جائزہ۔

میں نے دوسرے مبحث کے تحت معلومات کو حسب ذیل ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے:

سب سے پہلے میں نے مبحث کا ایک عنوان قائم کیا ہے۔ پھر میں نے شیخ البانی رحمہ اللہ کے رسالہ "صلاۃ التراویح" کے صفحہ نمبر کا حوالہ دیتے ہوئے ان کا وہ کلام نقل کیا ہے جس پر بحث درکار ہے۔

اس کے بعد میں نے لفظ جواب لکھ کر اس کے تحت بیان حق اور ازالہ شبہ کے لئے شیخ کے کلام کا علمی رد کیا ہے۔ میں نے اپنے موقف کی وضاحت کے لئے جہاں تک ممکن ہو سکا ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل و شہادتیں پیش کی ہیں۔ کتاب و سنت کے اِن دلائل کو سمجھنے کے لئے میں نے اُن بلند پایہ ائمہ اصول و محدثین اور فقہاء کے کلام کا سہارا لیا ہے جنہوں نے اِن زیر بحث مسائل پر روشنی ڈالی ہے تاہم اِس معاملہ میں طوالت سے احتراز کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ موقع و محل اِس پہلو کو اجاگر کرنے کا تھا کہ شرعی نصوص کے درمیان جمع و تطبیق کی ہر ممکن کوشش ضروری ہے اور یہ موقع و محل اِس کا نہیں تھا کہ جن احادیث سے استدلال کیا گیا ہے ان کے ثبوت و ضعف میں اہل علم کے اختلاف کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، لہذا میں نے تخریج احادیث کے معاملہ میں مستدل احادیث کو یا تو صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کی طرف منسوب کرنے پر اکتفاء کرنے کو ترجیح دی ہے۔ اگر کوئی حدیث ایسی تھی جس سے استدلال کی صحت اہل علم پر مخفی نہیں ہے تو میں نے اُس حدیث کو بغیر تخریج کے ذکر کیا ہے تاکہ اِس رسالہ کی ضخامت بھاری بھر کم نہ ہو جائے۔

اِسی کے ساتھ میں اللہ سبحانہ و تعالی سے دعا گو ہوں کہ وہ کتاب و سنت کے نصوص کو سمجھنے میں ہمیں صحیح راہ پر چلائے جس سے ہمیں اس کی رضا و خوشنودی نصیب ہو۔ اور درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد اور آپ کے تمام آل و اصحاب پر۔

تحریر کردہ

أ۔ د۔ ابراہیم بن محمد الصبیحی

ریاض (1/1/1436ھ)

تمہید

رخصتوں اور شاذ اقوال کی تلاش میں رہنے کی ممانعت

سلف صالحین فتوی دینے کے معاملہ میں ایک دوسرے سے پیچھے ہٹتے تھے، یہاں تک کہ ایک شخص علماء کی مجلس میں پہنچتا تو کوئی اُسے فتوی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا، کیونکہ سلف عموماً فتوی دینے کے میدان میں قدم رکھنے سے بچتے تھے اور اِس معاملہ میں پیچھے رہنا پسند کرتے تھے۔

آج صورتحال یہ ہے کہ بہت سے مفتیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ فتوی دینے کے معاملہ میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اپنے فتاوی کو ایک دوسرے تک پہنچانے کی سہولت نے انہیں مزید موقع فراہم کردیا ہے۔

اِس سے بھی آگے بڑھ کر ہم بہت سے دعاۃ اور عام لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ان فتاوی کو بالقصد جمع کرنے اور پھیلانے کا کام کرتے ہیں جن کے اندر شرعی احکام میں رخصت دی گئی ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ دعوت کے کچھ مراکز و مکاتب تختیوں پر ان احکام کو لکھواتے ہیں جس میں علماء نے رخصت دی ہے، پھر ان تختیوں کو مساجد میں لٹکا دیتے ہیں۔ یہ کام موسم اور موقع کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ جب سردی کا موسم آتا ہے تو خفین (چرمی موزے) پر مسح کرنے کی رخصت کے احکام لکھواتے ہیں۔ جب حج کا موسم قریب ہوتا ہے تو حج کے تعلق سے وارد رخصتوں کے احکام کو پھیلاتے ہیں جب روزہ کا مہینہ آتا ہے تو جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ان کے متعلق فتاوی کو لوگوں کے سامنے لاتے ہیں۔

آخری بار میں نے اِس طرح کی ایک تختی اُس مسجد میں لٹکی ہوئی دیکھی تھی جس میں میں پنجگانہ نماز ادا کرتا ہوں۔ وہ تختی ریاض کے ایک دعوت سنٹر کے زیر اہتمام لٹکائی گئی تھی۔ اس تختی میں پہلے ایسے گیارہ امور کا تذکرہ تھا جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر پچیس ایسے امور کا بیان تھا جنہیں روزہ دار انجام دیتا ہے لیکن وہ مفطر (روزہ توڑنے والے) نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے ان مسائل کو مختلف مآخذ کے حوالے سے جمع کیا تھا۔ اِس قبیل کے تیرہ امور وہ تھے جن کے مفطر نہ ہونے کا فتوی فقہ اکیڈمی نے دیا تھا، گیارہ امور کے بارے میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا مفطر نہ ہونے کا فتوی تھا، دو امور ایسے تھے جس کے مفطر نہ ہونے کا فتوی دائمی کمیٹی برائے افتاء نے دیا تھا، چھ امور وہ تھے جن کے بارے میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے مفطر نہ ہونے کا فتوی

دیا تھا۔ اور ایک قسم وہ تھی جس کے مفطر نہ ہونے کی بات ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کی گئی تھی۔ یہ سارے علمائے کرام کا اِس پر اتفاق ہے کہ اِن امور میں سے کچھ مفطر ہیں اور کچھ مفطر نہیں ہیں۔ اس تختی میں مذکورہ دعوت سنٹر کی طرف سے یہ کہا گیا تھا کہ لوگ اِن فتاوی پر عمل کریں۔

علماء کی دی ہوئی رخصتوں کی تلاش میں رہنے سے ائمہ اسلام نے منع کیا ہے۔ اِسی طرح صرف اُس عالم کے اقوال کی تلاش میں رہنا بھی جائز نہیں ہے جو رخصت دینے میں معروف ہیں، کیونکہ اِس سے رخصتوں کے پیچھے جانا لازم آتا ہے۔ اُس قول کو اختیار کرنا واجب ہے جو دلیل کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہو۔ اِس شرعی مقصد کے حصول کے لئے میں نے "مسائل المسح علی الخفین" (چرمی موزے پر مسح کے مسائل) کے عنوان سے ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جس میں میں نے خفین (چرمی موزے) پر مسح کے وہ احکام بیان کئے ہیں جن میں کچھ علماء نے رخصت دی ہے۔ وہاں میں نے یہ وضاحت کی ہے کہ رخصت دینے والے اِن علماء کی رائے دلیل سے عدم واقفیت پر مبنی ہے، پھر میں نے وہ دلیل پیش کی ہے جس پر جمہور امت کا اعتماد ہے۔

میں نے تین رسائل حج کے ان مسائل کے تعلق سے ترتیب دیئے ہیں جن میں کچھ علماء نے دلیل کی مخالفت کرتے ہوئے رخصت دی ہے۔ "حتی لا یقع الحرج" (تاکہ تنگی نہ ہو) کے عنوان سے ترتیب دیئے گئے تیسرے رسالہ میں میں نے رخصتوں کی تلاش میں رہنے کی ممانعت سے متعلق ایک خاص مبحث کو شامل کیا ہے۔

میں نے ایک رسالہ "الصیام ومفطراتہ الطبیۃ" (روزہ اور اس کے طبی مفطرات) کے عنوان سے ترتیب دیا ہے۔ میں نے اس میں طبی مفطرات کے تعلق سے علماء کے اختلاف کو بیان کیا ہے۔ میں نے یہ واضح کیا ہے کہ ان مسائل میں علماء کے اختلاف کی وجہ روزہ کی تعریف میں ان کا اختلاف ہے۔ چنانچہ جن علماء کی رائے یہ ہے کہ روزہ کسی چیز کو جسم کے اندر داخل کرنے سے رک جانے کا نام ہے ان کے نزدیک دعوتی سنٹر کی ترتیب دی ہوئی تختی کے اندر درج زیادہ تر امور روزہ کو توڑنے والے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت روزہ کی اسی تعریف کی قائل ہے، اس میں کوئی ان کا مخالف نہیں ہے۔ یہ تعریف جمہور امت کے قول کے موافق ہے، اللہ تعالیٰ نے روزہ کا جو حکم دیا ہے اس کا مفہوم بھی یہی ہے اور روزہ کی تعریف کے معاملہ میں ائمہ اربعہ کا موقف بھی یہی ہے۔

روزہ کی تعریف میں دوسرا قول یہ ہے کہ روزہ کھانے، پینے اور جماع (مباشرت) سے رک جانے کا نام ہے۔ ابن حزم کے مسلک میں روزہ کی اسی تعریف پر اعتماد کیا گیا ہے، جمہور معاصرین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ نیز جو چیزیں کھانے اور پینے کی

چیزوں کے حکم میں ہیں انہیں ان ہی دونوں پر قیاس کیا ہے۔ تختی میں درج جن چیزوں کے مفطر نہ ہونے کا جن لوگوں نے فتوی دیا ہے انہوں نے روزہ کی تعریف سے متعلق اسی قول کا اعتبار کیا ہے۔

دلیل کے اعتبار سے مضبوط قول کو تلاش کرنا ہمارے لئے واجب ہے، نہ کہ رخصت پر مبنی قول کو تلاش کرنا۔

دلیل سے کوئی موقف اختیار کرنے کے بارے میں سب سے صحیح قول جمہور علماء کا قول ہے اسی لئے جہاں تک میری رسائی ہوئی ہے اس کے مطابق جمہور کے اختیار کردہ موقف میں بہت کم ایسے مسائل ہیں جو دلیل کے برخلاف ہیں۔

اس بناء پر جو شخص دلیل سے ناواقف ہے اسے کسی بھی مسئلہ میں جمہور کے قول کو اختیار کرنا چاہئے۔ یہ موقف اس کے ذمہ کو بہتر طور پر ساقط کرنے والا ہے۔ نیز اس سے اس کا ذمہ بھی ساقط ہو جاتا ہے جس سے وہ مسئلہ دریافت کر رہا ہے یا جس کی وہ رہنمائی کر رہا ہے۔ یہ صحیح منہج نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اسے جمہور کی دلیل کا علم نہیں ہے لہذا وہ کسی خاص عالم کے قول کو اختیار کر رہا ہے۔

کثرت تعداد کی بنیاد پر کسی موقف کو راجح قرار دینا ایک ایسا رویہ ہے جسے محدثین نے بھی اختیار کیا ہے۔ اسی لئے ان لوگوں نے ثقہ کے ذریعہ ثقات کی مخالفت کو حدیث شاذ میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح محدثین درجہ بندی میں سب سے اوپر حدیث متواتر، پھر مستفیض، پھر مشہور، پھر عزیز، پھر غریب کو رکھتے ہیں۔ اس طرح کی درجہ بندی کا سبب رواۃ کی کثرت ہی ہے۔ معاصر فقہاء کا اختیار کردہ راستہ بھی یہی ہے۔ اسی وجہ سے فقہ اکیڈمیوں کے فیصلے، مشترکہ عدالتی احکام، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے فیصلے، کبار علماء کے بورڈ، دائمی کمیٹی برائے افتاء اور مظالم کی سماعت کرنے والی کچہریوں میں اختلاف کے وقت اکثریت کی رائے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرعی امور میں ایسے اقوال سے منع کرتے تھے جسے بڑی اکثریت کے برخلاف چند ایک لوگوں نے اختیار کیا ہو۔ یہ کثرت تعداد کی بنیاد پر ترجیح ہی کی ایک قسم ہے۔

کچھ اہل علم کا قول ہے کہ ایک شخص کی مخالفت سے اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ وہ لوگ اسی طرح کے قول کو شاذ فتوی قرار دیتے ہیں۔

شریعت نے مسلمانوں کو اتحاد و اجتماعیت بر قرار رکھنے پر آمادہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”روزہ کا دن وہ ہے جس دن لوگ روزہ رکھیں اور بغیر روزہ کا دن وہ ہے جس دن لوگ روزہ نہ رکھیں۔“ اسی طرح راجح قول کی ایک پہچان یہ ہے کہ مومنوں کی اکثریت اس کی قائل ہو۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ”إهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم“[1] (ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تونے انعام کیا) اس آیت مبارکہ کی رو سے سیدھے راستہ کی ایک پہچان یہ ہے کہ اہل علم اور ایمان والوں کی کثیر تعداد اس پر چلتی ہے۔

اگر کسی مسئلہ میں جمہور کی کوئی رائے نہ ہو اور کسی پیشرو کا فتوی بھی موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں غور و فکر کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس مسئلہ میں توقف اختیار کرے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کے فہم کا دروازہ اس کے لئے کھول دے۔

اس کی ایک مثال نماز میں ختم قرآن کے بعد دعا کا مسئلہ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اس کے قائل ہیں، اس لئے کہ مکہ اور بصرہ میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ میرے علم میں مالکیہ کے علاوہ کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی ہے۔ بقیہ اہل علم کا اس مسئلہ میں کوئی قول نہیں ہے، لہذا اس مسئلہ میں امام احمد کی رائے کو اختیار کرنا جمہور کی مخالفت میں شمار نہیں ہوگا۔

اسی طرح کی صورت حال کے تعلق سے امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے: ”ایسی حالت میں جبکہ عام اہل علم کسی زمانہ میں بہت سے علاقے میں کسی چیز پر عمل کرتے ہوں اور ان سے پہلے بھی عام مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہو تو اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ فلاں فلاں سے اس طرح کا عمل ثابت ہے، ہمارے علم میں کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی ہے۔ ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہم نے اس عمل کو اختیار کیا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ تمام مسلمان اس کے قائل ہیں، اس لئے کہ اس کے قائلین میں سے ہم صرف اسی کو جانتے ہیں جس سے ہم نے اس عمل کے بارے میں سنا ہے یا ہم نے اس عمل کو ان سے اخذ کیا ہے۔ ان کے بقول: میں نے اس تعلق سے جو کچھ کہا اس کے قائل وہ اہل علم بھی ہیں جن سے میں نے علم حاصل کیا۔ انہوں نے یہ بات منصوص طور پر کہی ہے اور اسے بطور دلیل پیش کیا ہے۔“[2]

---

(1) سورۃ الفاتحہ، (7،6)

(2) کتاب اختلاف الحدیث، باب الخلاف فی الساعات التی تکرہ فیھا الصلاۃ، نیز دیکھئے کتاب الأم 7/147 کا حاشیہ۔

امام شافعی کے یہ مبارک کلمات ہمیں سلف صالحین کے ایک منہج سے روشناس کراتے ہیں۔ اسی وجہ سے امام احمد اپنے پیشرو جمہور شیوخ اسلام کے منہج کے مطابق دعائے ختم قرآن کے قائل ہیں۔

جمہور اہل علم کے قول کی طرف توجہ نہ کرنے کی وجہ سے انسان کی اختیار کردہ ترجیحات تنقید کا نشانہ بنتی ہیں، اس لئے کہ عام طور پر یہ ترجیحات جمہور کی دلیل سے عدم واقفیت کی بناء پر قائم کی جاتی ہیں۔ مختلف اقوال کے درمیان ترجیح قائم کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ دلیل تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کرے، حتی کہ پیشرؤں سے اس مسئلہ میں منصوص طور پر کچھ بھی منقول نہ ہو تب بھی صحیح دلیل تک رسائی کی کوشش نہ چھوڑے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دین کے ساتھ جس خیر خواہی کا حکم دیا ہے اس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ ایسے شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا مطمح نظر شاذ اقوال کی تلاش نہ ہو اور نہ وہ کچھ اہل علم کی دی ہوئی رخصتوں کے پیچھے جائے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر شیخ البانی رحمہ اللہ نے نماز تراویح اور قیام اللیل (نماز تہجد) میں رکعات کی تعداد کے دلائل کو سمجھنے میں جمہور اہل علم کا طریقہ اختیار کیا ہوتا تو وہ اس مسئلہ میں کتاب و سنت کے مدعا اور سلف امت کے عمل کے برخلاف نہ گئے ہوتے۔

پہلا مبحث

نماز تراویح کے احکام

میں نے اس مبحث میں بطور خاص نماز تراویح کے دس احکام پر گفتگو کی ہے، اس لئے کہ ان ہی احکام میں معاصرین کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ اس گفتگو سے مجھے امید ہے کہ اس مسئلہ میں اللہ کے نیک بندوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا ہو گا اور جس طرح سابقین نے عمر رضی اللہ عنہ کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے اختلاف کے بغیر اس نماز تراویح کو ادا کیا ہے اسی طرح اس دور کے مسلمان بھی اِس نماز تراویح کو ادا کریں گے۔ بعد میں آنے والے خلفائے مسلمین نے بھی عمر رضی اللہ عنہ کی اِس طریقہ کو باقی رکھا اور مساجد میں نماز تراویح کو ادا کیا۔ اس نماز تراویح کے احکام کے تعلق سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے درمیان بھی کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ تمام صحابہ کرام نے زندگی بھر اِس نماز کو اُسی طریقہ کے مطابق ادا کیا جو ان کے امیر ملہم (الہام یافتہ) رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے متعین کر دیا تھا۔ اِس نماز کے احکام کو لے کر ان کے درمیان کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا، یہاں تک کہ امام ابن قدامہ نے اس طریقہ کے مطابق نماز تراویح کی ادائیگی پر مسلمانوں کا اجماع نقل کر دیا ہے۔ اللہ تعالی ہی توفیق سے نوازنے والا اور رشد و ہدایت کی راہ دکھانے والا ہے۔

پہلا حکم: تہجد کے وقت کو طویل کرنے کی فضیلت سے متعلق قرآن کی دلالت

اللہ تعالی کی کتاب قرآن مجید میں بہت سی ایسی آیات آئی ہیں جو ان تہجد گزاروں کی فضیلت بیان کرتی ہیں جو اپنی رات کا بیشتر حصہ اللہ کے ثواب کی جستجو اور اس کی سزا کے خوف سے سجدے، رکوع، قیام اور تلاوت قرآن کی حالت میں گزارتے ہیں۔ یہ قرآنی آیات اِس مہتم بالشان عمل کو زیادہ سے زیادہ انجام دینے کی ترغیب دیتی ہیں اور تہجد گزار کو طویل وقت حالت تہجد میں گزارنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ومن الليل فاسجد له وسبحه ليلا طويلا"[1] (اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور بہت رات اس کی تسبیح کیا کر۔) ایک دوسری جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "أم من هو قانت آناء الليل ساجدا و قائما يحذر الآخرة و يرجو رحمة ربه"[2] (بھلا جو

---

(1) سورۃ الإنسان/26

(2) سورۃ الزمر/9

شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں (عبادت میں) گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:"والذين يبيتون لربهم سُجدًا وقياما"[1] (اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:"يا أيها المزمل قم الليل إلا قليلا نصفه أو انقص منه قليلا أوزد عليه ورتل القرآن ترتيلا"[2] (اے کپڑے میں لپٹنے والے، رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم۔ آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لے یا اس پر بڑھا دے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (صاف) پڑھا کر)

ایک جگہ یہ ارشاد ہے:"ومن الليل فتهجد به نافلة لك عسى أن يبعثك ربك مقاما محموداً"[3] (رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کریں یہ زیادتی آپ کے لئے ہے۔ عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔)

اللہ تعالی کا یہ ارشاد بھی ہے:"ليسوا سواءً من أهل الكتاب أمة قائمة يتلون آيات الله آناء الليل وهم يسجدون"[4] (یہ سارے کے سارے یکساں نہیں بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں۔)

ایک دوسری جگہ یہ ارشاد ہے:"إن ربك يعلم أنك تقوم أدنى من ثلثي الليل ونصفه وثلثه وطائفة من الذين معك"[5] (آپ کا رب بخوبی جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتی ہے۔)

---

(1) سورۃ الفرقان/64

(2) سورۃ المزمل/1-4

(3) سورۃ الإسراء/79

(4) سورۃ آل عمران/113

(5) سورۃ المزمل/20

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:"محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم رُكعاً سُجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم في وجوههم من أثر السجود ذلك مثلهم في التوراة ومثلهم في الإنجيل كزرع أخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار، وعد الله الذين آمنو وعملوا الصالحات منهم مغفرة وأجرا عظيماً "(1)(محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا، پھر اُسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔)

یہ کل آٹھ آیتیں ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ ساری آیات وقت تہجد کو طویل کرنے کے استحباب پر دلالت کر رہی ہیں۔اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی خاطر، اس کی سزا کے خوف سے اور اس کے ثواب کی امید میں رات کے اکثر حصے کو قیام، رکوع، سجود اور تلاوت قرآن سے آباد کرنے کی فضیلت ہے۔اِن آیات میں جو حکم وارد ہے اُسے قیام اللیل کے وقت کو طویل کرنے کی فضیلت میں نص کی حیثیت حاصل ہے۔ نیز اِن آیات میں قیام اللیل کے وقت کو طویل کرنے کا مطلق حکم ہے۔اِن میں رکعات نماز کی تحدید نہیں کئی گئی ہے کہ اس سے تجاوز کرنا جائز نہ ہو بلکہ تہجد گزار کو یہ آزادی ہے کہ وہ اپنی چستی کے لحاظ سے جتنی رکعات نماز چاہے ادا کر سکتا ہے۔اِن آیات سے ثابت فضیلت کی آخری حد یہ ہے کہ تہجد گزار اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اپنی رات کا بیشتر حصہ سجود و قیام و رکوع کی حالت میں گزارے۔

مذکورہ بالا آیات میں تہجد کے وقت کو طویل کرنے کی جو فضیلت وارد ہے اُس کو پانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ قرآءت، رکوع اور سجود کو طویل کیا جائے اور رکعات کی تعداد کم ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر و بیشتر ایسا ہی کرنا ثابت ہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی رات ایک رکعت میں پانچ پارے تلاوت فرمائی۔ چنانچہ آپ نے سورہ البقرہ، سورۃ النساء اور سورۃ آل عمران کی ایک رکعت میں تلاوت کی۔اس رات عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی آپ کے

---

(1) سورۃ الفتح/29

ساتھ نماز میں شریک تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رکعت اتنی طویل تھی کہ میرے دل میں بُرا خیال آگیا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے دل میں کونسا بُرا خیال آیا؟ انہوں نے بتایا کہ رکعت کے طویل ہونے کی وجہ سے میں نے بیٹھ جانے کا ارادہ کر لیا۔

تہجد کے وقت کو طویل کرنے کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی زیادہ رکعات ادا کی جائیں۔ قرآن مجید میں اِن دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کو دوسری پر فضیلت نہیں دی گئی ہے لیکن سنت سے جو کچھ ثابت ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ طویل قیام ورکوع وسجود کو ہلکے قیام ورکوع وسجود پر فضیلت حاصل ہے۔ اس کی دلیل جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”افضل نماز وہ ہے جس کا قنوت طویل ہو“ ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسی نماز افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ”طویل قنوت والی نماز۔“[1]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ”طویل قنوت والی نماز سب سے افضل ہے۔“ میں قنوت سے مراد قیام ہے۔ میرے علم میں قنوت کے اِس معنی ومفہوم پر علماء کا اتفاق ہے۔ اِس میں امام شافعی اور ان کے ہم خیال علماء کے اِس قول کی دلیل موجود ہے کہ طویل قیام زیادہ رکوع وسجود سے افضل ہے۔[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اِس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ طویل قنوت والی نماز افضل ہے۔ طویل قنوت سجود وقیام دونوں حالتوں میں ہوتا ہے۔ نماز میں طویل قیام ورکوع وسجود زیادہ مرتبہ قیام وسجود سے افضل ہے، اس لئے کہ طویل قنوت، قیام ورکوع وسجود کو طویل کرنے سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ زیادہ مرتبہ قیام ورکوع سجود سے۔[3]

ابن رشد رحمہ اللہ کا قول ہے: اِس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ نماز جس کی ادائیگی میں زیادہ وقت لگا ہو، اس نماز سے افضل ہے جس کی ادائیگی میں کم وقت لگا ہو۔[4]

---

(1) صحیح مسلم بشرح النووی 35/6

(2) شرح صحیح مسلم 35/6

(3) الفتاوی 71/23

(4) الذخیرۃ 407/2

دوسرا حکم: نماز کے اختتام تک امام کی متابعت کی فضیلت

انٹرنیٹ پر موجود ایک رسالہ جو شیخ محمد عثیمین رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، لوگوں کے درمیان متداول ہے۔ اس رسالہ میں ایک سوال ہے کہ کوئی شخص رمضان میں رات کے پہلے حصہ میں ایک مسجد میں نماز ادا کرتا ہے اور رات کے آخری حصہ میں دوسری مسجد میں نماز ادا کرتا ہے تو کیا اسے وہ ثواب حاصل ہو گا جس کا حدیث میں ذکر ہے؟

شیخ محمد عثیمین رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے نماز کے اختتام تک امام کے ساتھ قیام اللیل کیا اسے پوری رات نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا۔" جب کسی نے رات کے پہلے حصہ میں امام اول کے ساتھ نماز ادا کی اور رات کے آخری حصہ میں دوسرے امام کے ساتھ نماز ادا کی تو وہ اس کا مصداق نہیں بنا کہ اس نے نماز کے اختتام تک امام کے ساتھ نماز ادا کی، اس لئے کہ اس نے دو اماموں کے ساتھ قیام اللیل کیا۔ اس سے یہ کہا جائے گا کہ تم اس ایک امام کے ساتھ رات کے پہلے حصہ سے رات کے آخری حصہ تک قیام اللیل کرو ورنہ پوری رات نماز پڑھنے کا تمہارا اجر فوت ہو جائے گا۔

میرا جواب: شیخ محمد عثیمین رحمہ اللہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کا روزہ رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ماہ رمضان میں ہمارے ساتھ قیام اللیل نہیں کیا، یہاں تک کہ جب ماہ رمضان کی سات راتیں باقی رہ گئیں تو آپ نے ہمیں ایک تہائی رات تک قیام اللیل کرایا۔ پھر جب رمضان کی چھ راتیں باقی رہ گئیں تو آپ نے ہمارے ساتھ قیام اللیل نہیں کیا۔ جب رمضان کی پانچ راتیں باقی رہ گئیں تو آپ نے ہمارے ساتھ آدھی رات تک قیام اللیل کیا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں اس رات کے بقیہ حصہ میں بھی نفل پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص اخیر تک امام کے ساتھ قیام اللیل کرتا ہے تو اسے پوری رات قیام کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ آگے بیان کرتے ہیں: جب رمضان کی چار راتیں باقی رہ گئیں تو آپ نے ہمارے ساتھ قیام اللیل نہیں کیا۔ جب تین راتیں باقی رہ گئیں تو آپ نے اپنے گھر والوں، اپنی بیویوں اور لوگوں کو جمع کیا اور ہمارے ساتھ دیر تک قیام اللیل کیا، یہاں تک کہ ہمیں فلاح کے فوت ہو جانے کا خدشہ ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا: فلاح سے کیا مراد ہے؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے سحری مراد ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رمضان کی بقیہ راتوں میں ہمارے ساتھ قیام اللیل نہیں کیا۔ یہ

روایت سنن ابی داود (رقم 1373) اور سنن ترمذی (رقم 803) میں منقول ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے امام کے ساتھ رات کی پہلی نماز مکمل طور پر ادا کی بایں طور کہ رات کے پہلے حصہ کی نماز کے دوران وہ امام سے جدا نہیں ہوا بلکہ رات کے پہلے حصہ کی پوری نماز میں امام کے ساتھ شریک رہا، یہاں تک کہ امام نے رات کے پہلے حصہ کی نماز مکمل کرلی تو اسے پوری رات قیام اللیل کرنے کا ثواب حاصل ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجر و ثواب کے حصول کے لئے صرف یہ شرط رکھی ہے کہ وہ امام کے لوٹنے تک اس کے ساتھ نماز میں شریک رہے اور امام کے لوٹنے کا مطلب رات کی نماز سے اس کا فارغ ہونا اور مقتدیوں کا منتشر ہوجانا ہے۔

شیخ محمد عثیمین رحمہ اللہ نے اس کا اعتبار نہیں کیا ہے کہ رات کے پہلے حصہ کی پوری نماز امام کے ساتھ ادا کرنے سے رات کے بقیہ حصہ میں قیام اللیل کا ثواب حاصل ہوگا بلکہ اس ثواب کے حصول کے لئے انہوں نے یہ شرط لگادی ہے کہ نمازی رات کے پہلے حصہ سے آخری حصہ تک ایک ہی امام کے ساتھ قیام اللیل کرے۔ اسی لئے انہوں نے یہ شرط عائد کی ہے کہ نمازی امام کے ساتھ رات کے پہلے حصہ کی نماز مکمل کرنے کے بعد رات کے دوسرے حصہ میں بھی اسی امام کی متابعت کے لئے واپس آئے، یہاں تک کہ امام کی دوسرے حصہ کی نماز مکمل ہوجائے۔ اگر دوسرے حصہ میں وہ امام کی متابعت کے لئے واپس نہیں آتا ہے تو اس کی وجہ سے پوری رات قیام اللیل کا ثواب اسے حاصل نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا حدیث میں یہ شرط موجود نہیں ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: آدمی جب امام کے ساتھ قیام اللیل کرتا ہے، یہاں تک کہ امام لوٹ جاتا ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ امام نماز سے فارغ ہوکر واپس چلا جاتا ہے تو اس صورت میں نمازی کو پوری رات قیام اللیل کا ثواب ملتا ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز امام کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے، انفرادی طور پر ادا کرنے سے۔

شیخ علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "جب امام کے ساتھ نماز ادا کرے......" سے مراد نماز تراویح ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص عشاء اور فجر کی نماز امام کے ساتھ ادا کرتا ہے تو اسے پوری رات فرض نماز ادا کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور یہاں پر یہ ہے کہ جب کوئی شخص امام کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کرتا ہے، یہاں تک کہ امام لوٹ جائے تو اسے پوری رات نفل نماز ادا کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ روایت کے ظاہر سے ہمارے

قول کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رات کے بقیہ حصہ میں بھی نماز نفل ادا کرنے کے لئے سوال کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ انہیں اب رات کے بقیہ حصہ میں قیام اللیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ پوری رات نفل نماز کی ادائیگی کا ثواب انہیں اتنی مدت تک قیام اللیل کرنے سے ہی حاصل ہو گا۔ اس کے بعد شیخ علی قاری کہتے ہیں: تراویح میں امام کے لوٹنے سے پہلے کسی نمازی کا لوٹ جانا ممکن ہے، اس لئے کہ نماز تراویح متعدد ترویحات (وقفے) میں ادا کی جاتی ہے، لہذا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص امام کے پوری نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی لوٹ جائے۔[1]

اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مقتدی اگر رات کے دوسرے حصہ میں امام کے ساتھ نماز نہ بھی پڑھے تب بھی اسے پوری رات قیام اللیل کا ثواب حاصل ہو گا، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ نماز نہیں پڑھائی تھی، لہذا حدیث میں مذکور اجر و ثواب رات کے صرف پہلے حصہ میں امام کے ساتھ نماز ادا کرنے پر بھی حاصل ہو گا۔ واللہ اعلم

تیسرا حکم: قیام اللیل میں رکعات کی تعداد

قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں قیام اللیل کی جہاں پر فضیلت بیان ہوئی ہے، اس کا جائزہ لینے والے کو واضح طور پر پتہ چل جائے گا کہ ان دونوں مصادر شریعت میں قیام اللیل میں رکعات کی کسی مخصوص تعداد کو کسی دوسرے عدد پر فضیلت نہیں دی گئی ہے بلکہ تعداد رکعات کو نفل گزار کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ خیر کے کام میں اپنی رغبت و چستی کے لحاظ سے جتنی رکعات چاہے ادا کر سکتا ہے۔ اس کے لئے مشروع یہ ہے کہ وہ اتنی رکعات کو اختیار کرے جو وقت تہجد کو زیادہ سے زیادہ طویل کرنے کا سبب ہو۔ اس کے لئے کسی متعین عدد کا التزام مشروع نہیں کیا گیا ہے کہ وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ صحاح، سنن اور مسانید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل میں مختلف عدد رکعات کا ذکر ہے۔ روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام اللیل میں سات، نو، گیارہ اور تیرہ رکعات ادا کی ہیں۔ اِن مختلف تعداد رکعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی متعین عدد کو کسی دوسرے عدد پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، ہاں البتہ اگر رکعات کی زیادہ تعداد طویل وقت تک قیام اللیل کا سبب بنی ہو تو وہ افضل ہو گی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نقل کردہ روایت اِسی پہلو کو اجاگر کرتی ہے۔ انہوں نے رسول

---

(1) بذل المجھود شرح سنن أبی داود 7/156

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل میں تعداد رکعات کی آخری حد کو ذکر کیا ہے۔روایت سے یہ بھی پتہ چلتاہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا کردہ یہ رکعتیں طویل بھی تھیں اور حسن ادائیگی کی حامل بھی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل میں عدد رکعات میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آپ اِس نماز میں اللہ تعالی کے اِس ارشاد پر عمل کرتے تھے:"فاقرءوا ما تيسر منه"۔[1](سوتم بآسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو) یہاں آسانی کے ساتھ جتنا قرآن پڑھ سکو سے مراد یہ ہے کہ آسانی کے ساتھ جتنی رات کی نماز ادا کر سکو کرو۔[2] چنانچہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذاتی صورت حال کے اعتبار سے رات کی نماز ادا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز جو آپ اپنی حالت کے مطابق ادا کرتے تھے، آپ کی قوت ونشاط اور تبدیلئ حال کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتی تھی، کیونکہ آپ کبھی مصروف جہاد ہوتے، کبھی سفر میں ہوتے، کبھی مقیم ہوتے، کبھی کام کا دباؤ زیادہ ہوتا اور کبھی بیماری وغیرہ سے دوچار ہوتے تھے۔اِسی وجہ سے آپ کی رات کی نماز میں رکعات کی تعداد اور کیفیت وکمیت مختلف ہوا کرتی تھی۔اگر آپ قوت ونشاط محسوس کرتے تو قیام اللیل میں رکعات کی تعداد بڑھ جاتی اور اگر طاقت وچستی میں کمی ہو جاتی تو اس کا اثر تہجد گزاری کے وقت میں کمی کی صورت میں ظاہر ہوتا۔اگر کبھی آپ پر نیند یا بیماری کا غلبہ ہوتا تو دن میں بارہ رکعات ادا کرتے تھے۔جتنی نماز آپ بآسانی ادا کرسکتے تھے اسی کا التزام فرمایا۔اِسی لئے آپ کی ہر نماز فضیلت کے اعتبار سے یکساں تھی کیونکہ آپ قیام اللیل کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے تھے اور اس کے لئے مشقت برداشت کرتے تھے، یہاں تک اللہ تعالی نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا:"ما أنزلنا عليك القرآن لتشقى"[3](ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے۔)

آیت پر عمل کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ لمبی قراءت کرتے تھے۔آپ تب تک رکوع نہیں کرتے تھے جب تک کہ حسب سہولت قراءت کو مکمل نہیں کر لیتے تھے، پھر آپ رکعات کی تعداد میں اضافہ کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ حسب سہولت نماز وقراءت دونوں سے فارغ ہو جاتے تھے۔آپ تہجد گزاری میں طویل وقت

---

(1) سورۃ المزمل/20

(2) ملاحظہ ہو تخفیف صلاۃ التراویح کے متعلق مبحث میں مذکورہ آیت کی تفسیر، ص49

(3) سورۃ طہ/1، 2

گزارنے اور طویل نماز ادا کرنے کے پابند رہے۔ کتاب و سنت میں ان ہی دونوں باتوں کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ آپ نے مختصر قراءت کے ساتھ متعین رکعات ادا کرنے کا اہتمام نہیں کیا۔ اس لئے کہ یہ قرآن کے مدعا کے بر خلاف ہے۔

ہماری اِس بات کی تائید اِس سے ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھنے کے بعد اگر جسم میں چستی و طاقت محسوس کرتے تو بیٹھ کر مزید دو رکعات ادا کرتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم 6 / 27 میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت آئی ہے کہ ہم آپ کے لئے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے۔ اللہ تعالی جب چاہتا آپ کو رات میں بیدار ہونے کی توفیق دیتا، آپ اٹھ کر مسواک کرتے، وضو کرتے اور نو رکعات اس طرح ادا کرتے کہ آٹھویں رکعت میں بیٹھتے، بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے، اس کی حمد کرتے، اس سے دعائیں مانگتے، پھر آپ سلام پھیرتے جس کی آواز ہمارے کانوں تک پہنچتی تھی۔ اس کے بعد بیٹھ کر مزید دو رکعات ادا کرتے تھے۔ اے بیٹے! یہ کل گیارہ رکعات ہو گئیں۔ پھر جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر زیادہ ہو گئی اور آپ کا وزن بڑھ گیا تو وتر کے ساتھ سات رکعات ادا کرنے لگے۔ وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعات ادا کرنے کا معمول حسب سابق بر قرار رہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز میں رکعات کی تعداد میں جو تفاوت بیان کیا گیا ہے اُس کا اہم سبب وہی ہے جو اوپر نقل کی گئی روایت سے معلوم ہوا۔ اس کی مزید توثیق اِس بات سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ رکعات نماز طویل قیام کے ساتھ ہوا کرتی تھی جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے۔ اگر صرف گیارہ رکعات کی کوئی خصوصیت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اِسی عدد کی پابندی کی ہوتی اور صورت حال کے تبدیل ہو جانے کے بعد نو یا سات رکعات پڑھنے کے بجائے گیارہ رکعات ہی پڑھی ہوتی، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔

اِس بات کی دلیل کہ طویل قیام کے بغیر کسی متعین تعداد رکعات کی کوئی فضیلت نہیں ہے، امام بخاری و امام مسلم کی نقل کردہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رات کی نماز دو دو رکعات ہے۔ جب تمہیں صبح ہو جانے کے اندیشہ ہو تو ایک رکعت پڑھ کر اُسے وتر کر دو۔" یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعداد رکعات کہ تحدید نہیں کی ہے بلکہ اُسے مطلق رکھا ہے۔ اگر رکعات کی کوئی تعداد افضل ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بیان فرمایا ہوتا۔ جب ہم اِس حدیث کو سامنے رکھتے ہیں اور قرآن میں تہجد کے وقت کو طویل کرنے کی جو فضیلت آئی ہے اور سنت نبوی سے رات کی نماز کو طویل کرنے کی جو فضیلت معلوم ہوتی ہے، اِن سب کو سامنے رکھنے سے یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ طویل قیام کے بغیر رکعات کی کسی متعین تعداد کی بذات خود کوئی فضیلت نہیں ہے۔ یہی بات اللہ تعالی کے اِس ارشاد سے بھی معلوم ہوتی ہے: "فاقرءوا ما تیسر منہ" (سو تم بآسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو) یعنی رات کی نماز میں جتنی رکعات تم بآسانی ادا کر سکو اتنی پڑھو۔ اِس آیت کی تفسیر میں یہی بات کہی گئی ہے۔ یا اگر کسی متعین تعداد

رکعات کی کوئی فضیلت و خصوصیت ہوتی تو وہ فضیلت نو رکعات کو حاصل ہوتی نہ کہ گیارہ رکعات کو۔اس کی دلیل امام مسلم کی صحیح(27/6) میں نقل کردہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ۔"ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ رات کے جس حصہ میں چاہتا آپ کو بیدار کر دیتا۔ آپ اٹھ کر مسواک کرتے، وضو کرتے اور پھر نو رکعات اس طرح ادا کرتے کہ آٹھویں رکعت میں بیٹھتے، بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے، اس کی حمد بیان کرتے، اس سے دعائیں مانگتے، پھر سلام پھیرے بغیر اٹھ جاتے اور نویں رکعت ادا کرتے، پھر اللہ کا ذکر کرتے، اس کی حمد کرتے، اس سے دعائیں مانگتے، پھر ہمیں سنا کر سلام پھیرتے، پھر بیٹھ کر مزید دو رکعات ادا کرتے۔اے بیٹے! یہ کل گیارہ رکعات ہو گئیں۔جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر زیادہ ہو گئی اور آپ کا جسم بھاری ہو گیا تو آپ وتر سمیت سات رکعات ادا کرنے لگے، پھر حسب معمول(بیٹھ کر)مزید دو رکعات ادا کرتے۔اے بیٹے! یہ کل نو رکعات ہو گئیں۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو آپ کی چاہت ہوتی کہ اس پر مداومت اختیار کریں۔اگر کبھی نیند یا جسمانی تکلیف کے غلبہ کی وجہ سے قیام اللیل نہیں کر پاتے تو دن میں بارہ رکعات ادا کرتے۔"الحدیث

چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ "اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو آپ کی چاہت ہوتی کہ آپ اس پر مداومت اختیار کریں۔" یہ بتاتا ہے کہ آپ کی آخری عمر کی رات کی نماز نو رکعات تھی اور آپ نے گیارہ رکعات کے بجائے اس نو رکعات پر مداومت اختیار کی تھی۔ اولیٰ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری افعال کو اختیار کیا جائے تاہم دوسرے دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک عدد کو دوسرے عدد پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے جب تک کہ زیادہ عدد رکعات والی نماز قرآن کی اتباع کرتے ہوئے زیادہ وقت قیام پر مشتمل نہ ہو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: رمضان میں قیام اللیل کے تعلق سے اہل علم کا اختلاف ہے۔کچھ اہل علم کی رائے ہے کہ وتر کے ساتھ اکتالیس رکعات ادا کی جائے گی۔یہ اہل مدینہ کا قول ہے۔مدینہ میں ان کا اسی پر عمل رہا ہے۔اکثر اہل علم بیس رکعات کے قائل ہیں جیسا کہ علی و عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

امام شافعی کے بقول: میں نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

امام احمد کہتے ہیں: رمضان کے قیام اللیل کے تعلق سے کئی طرح کی روایتیں آئی ہیں، ان میں سے کوئی بھی حتمی اور فیصلہ کن نہیں ہے۔

اسحاق کہتے ہیں: ہم تو اکتالیس رکعات کو اختیار کرتے ہیں جیسا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[1]

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کا قول ہے: "اس میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رات کی نماز میں رکعات کی تعداد کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ یہ نفل نماز ہے، نیکی و خیر کا کام ہے، جو چاہے کم کرے، جو چاہے زیادہ کرے۔"[2]

ابن ملقن رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رات کی نماز کی کوئی حد مقرر نہیں ہے کہ اس میں اضافہ یا کمی نہیں کی جا سکتی ہے۔ رات کی نماز ان نیک کاموں میں سے ہے کہ جتنا زیادہ کیا جائے گا اتنا زیادہ اجر حاصل ہو گا۔ اختلاف اس میں ہے کہ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا معمول تھا اور آپ نے اپنے لئے کس کو اختیار کیا تھا۔[3]

ان کا یہ قول بھی ہے: بیہقی نے صحیح سند سے عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ آپ کے عہد خلافت میں مسلمان بیس رکعات ادا کرتے تھے۔

بیہقی نے اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ایسی ہی ایک روایت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔[4]

امام شوکانی کہتے ہیں: حاصل کلام یہ کہ اس باب کی احادیث اور اس جیسی دیگر روایتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان میں قیام اللیل مشروع ہے اور یہ نماز جماعت کے ساتھ اور تنہا دونوں طرح پڑھی جا سکتی ہے۔ تراویح کی نماز میں رکعات کی حد مقرر کرنے اور مخصوص قراءت کے ساتھ اسے خاص کرنے کا ثبوت سنت میں نہیں ہے۔[5]

---

(1) سنن ترمذی (2/150) دیکھئے: حدیث نمبر (803)

(2) فتح البر فی الترتیب الفقہی لتمھید ابن عبد البر (6/143)

(3) الإعلام بفوائد عمدۃ الأحکام (3/545)

(4) البدر المنیر (4/350)

(5) نیل الأوطار (3/61)

میں کہتا ہوں: یقینی طور پر قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ قیام اللیل میں عدد رکعات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ تہجد گزار کو اختیار ہے کہ وہ اپنی سہولت سے جتنی رکعات چاہے ادا کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہہ دی ہے کہ "فاقرءوا ما تیسر منہ"[1] (سوتم بآسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو۔) یعنی اپنی سہولت کے اعتبار سے رات کی نماز ادا کرو۔ آگے اس آیت کی تفسیر میں مزید وضاحت آئے گی۔[2] چنانچہ جو لوگ رات کی نماز اور نماز تراویح کو گیارہ رکعات کے ساتھ محدود کرتے ہیں اور اس میں اضافہ سے منع کرتے ہیں مثلاً تئیس (23) رکعات پڑھنے سے روکتے ہیں، ان کا یہ عمل کتاب اللہ کے برخلاف ہے، اس لئے کہ انہوں نے بسہولت رات کی نماز ادا کرنے سے روکا ہے اور ایک متعین تعداد رکعات پر اکتفاء کرنے کو واجب قرار دیا ہے جبکہ حق یہ ہے کہ فضیلت دراصل وقت تہجد کو طویل کرنے اور طویل رکعات کے ساتھ رات کی نماز ادا کرنے کی ہے، صرف تعداد رکعات کی کوئی فضیلت نہیں ہے جبکہ ان رکعات میں طویل قیام نہ کیا گیا ہو۔ ہاں اگر زیادہ رکعات والی نماز میں تہجد گزاری کا وقت بھی طویل ہو تو ان زیادہ رکعات کو فضیلت حاصل ہو گی، لیکن یہ فضیلت رکعات کی زیادہ تعداد کی وجہ سے نہیں بلکہ وقت تہجد کے طویل ہونے کی وجہ سے ہو گی جس پر قرآن نے مومنوں کو آمادہ کیا ہے۔

اس کی مزید وضاحت اس طرح ہوتی ہے کہ جب گیارہ رکعات کو ایک تہائی رات تک ادا کیا جائے تو یہ ان نو رکعات سے افضل ہے جنہیں رات کے چھٹے حصہ میں ادا کیا گیا ہو، اس لئے کہ گیارہ رکعات کا وقت زیادہ طویل ہے۔ اسی طرح جب تئیس (23) رکعات کی ادائیگی میں نصف رات صرف ہوئی ہو تو وہ ان گیارہ رکعات سے افضل ہے جنہیں ایک تہائی رات میں ادا کیا گیا ہو۔ اس صورت میں اس تعداد رکعات کو فضیلت حاصل ہو گی جو وقت قیام میں زیادتی و اضافہ کا سبب بنی۔

اگر عدد رکعات کی کثرت وقت تہجد کے طویل ہونے پر مشتمل نہ ہو تو اسے فضیلت حاصل نہیں ہو گی، اس لئے کہ فضیلت طویل نماز کی ہے نہ کہ کثیر عدد رکعات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل نماز ہی کو اس ارشاد میں افضل بتایا ہے: "افضل نماز وہ ہے جس میں وقت قنوت طویل ہو۔" اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جس نے ایک تہائی رات تک نو رکعات پڑھی وہ ایک تہائی رات تک گیارہ رکعات پڑھنے سے افضل ہے۔ اور جس نے ایک تہائی رات تک گیارہ رکعات پڑھی وہ ایک

---

(1) سورۃ المزمل /20

(2) مبحث تخفیف صلاۃ التراویح، ص(49)

تہائی رات تک تیرہ رکعات پڑھنے سے افضل ہے، اس لئے کہ عدد رکعات کے کم ہونے کی وجہ سے نماز لمبی ہوئی اور رات کی لمبی نماز ہلکی نماز سے افضل ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے مدینہ میں مسلمانوں کو انتالیس (39) رکعات ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور مکہ میں انہیں تیئیس (23) رکعات ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس میں کوئی حرج و تنگی نہیں ہے۔

ان کا یہ قول بھی ہے: یہ بھی اچھا ہے کہ لوگ قیام کو طویل کریں اور ان کے سجدے کم ہوں اور یہ بھی اچھا ہے کہ لوگ زیادہ سجدے کریں اور قراءت کو ہلکی رکھیں۔ مجھے پہلی صورت زیادہ پسند ہے۔[1]

میں کہتا ہوں: یہی پہلی صورت افضل ہے جیسا کہ امام شافعی نے کہا، الا یہ کہ نمازی پر اکتاہٹ و سستی طاری ہو اور وقت تہجد کم ہو تو اس کے لئے مشروع یہ ہے کہ وہ رکعات کو اتنی ہلکی رکھے کہ وقت تہجد کو طویل کرنے میں اس کی چستی باقی رہے۔ اس لئے کہ قرآن کی رو سے وقت تہجد کو طویل کرنا مستحب ہے اور سنت کی رو سے رکعات کو طویل کرنا مستحب ہے۔

اس تہجد گزار کے حق میں یہ دونوں صورتیں آپس میں متعارض ہو گئیں تو اب اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ وقت تہجد کو طویل کرنے کو رکعات کو طویل کرنے پر مقدم کرے، اس لئے کہ اس کا حکم قرآن میں آیا اور تعارض کے وقت قرآن کے حکم کو سنت کے حکم پر مقدم کیا جائے گا، کیونکہ سنت قرآن کی تفسیر و وضاحت کرتی ہے، اس کی مخالفت نہیں کرتی ہے۔ واللہ اعلم

چوتھا حکم: نماز تراویح کو ہلکی کرنا

قرآن مجید نے رات کی نماز کو لمبی کرنے کی جانب رہنمائی کی ہے، چاہے نماز باجماعت ادا کی جائے یا تنہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إن ربك يعلم أنك تقوم أدنى من ثلثى الليل و نصفه و ثلثه و طائفة من الذين معك والله يقدر الليل والنهار علم أن لن تحصوه فتاب عليكم فاقرءوا ما تيسر من القرآن علم أن سيكون منكم مرضى وآخرون يضربون في الأرض يبتغون من فضل الله وآخرون يقاتلون

---

(1) فتح الباری (4/253)

في سبيل الله فاقرءوا ما تيسر منه وأقيموا الصلاة وآتوا الزكاة"[1] (آپ کا رب بخوبی جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتی ہے اور رات دن کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ کو ہی ہے، وہ (خوب) جانتا ہے کہ تم اسے ہر گز نہ نبھا سکو گے، پس اس نے تم پر مہربانی کی، لہذا جتنا قرآن پڑھنا تمہارے لئے آسان ہو اتنا ہی پڑھو، وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے، بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل (یعنی روزی بھی) تلاش کریں گے اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے، سو تم بآسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو اور نماز کی پابندی رکھو اور زکاۃ دیتے رہا کرو۔)

آسانی کے ساتھ قراءت و تلاوت سے مراد بآسانی نماز کی ادائیگی ہے۔ امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قراءت سے نماز مراد لیا ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ نے سورۃ سبحان میں فرمایا: "ولا تجهر بصلاتك"[2] (تو اپنی نماز بہت بلند آواز سے نہ پڑھ) یہاں اللہ تعالیٰ نے صلاۃ کہہ کر قراءت مراد لیا ہے۔[3]

امام شوکانی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: "فاقرءوا ما تيسر منه"[4] کا مطلب یہ ہے کہ تم رات کی نماز بسہولت جتنی پڑھ سکتے ہو پڑھو، یہاں قراءت بول کر صلاۃ مراد لی گئی ہے۔ کبھی قرآن بول کر صلاۃ مراد لی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "وقرآن الفجر"[5] (فجر کے وقت قرآن پڑھنا) بمعنی صلاۃ الفجر۔[6]

قراءت بول کر نماز مراد لینے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اس کے ذریعہ بندوں کو لمبی قراءت پر آمادہ کیا گیا ہے۔ سنت میں بھی طویل قراءت کرنے کی بات آئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں کو طویل قراءت پر آمادہ کیا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی طویل قراءت پر مشتمل ہوتی تھی۔ اس طرح قرآن و سنت دونوں نماز کو لمبی کرنے اور نماز میں طویل وقت صرف کرنے کے استحباب پر متفق ہیں۔

---

(1) سورۃ المزمل/20

(2) سورۃ الإسراء/110

(3) تفسیر ابن کثیر (4/438)

(4) سورۃ المزمل/20

(5) سورۃ الإسراء/78

(6) فتح القدیر (5/322)

ہاں البتہ فرض نماز کا معاملہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ سنت سے یہ ثابت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی امامت کرنے والے اماموں کو ہلکی نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب کوئی شخص لوگوں کی امامت کرے تو ہلکی نماز پڑھے، اس لئے کہ جماعت میں کمزور، بیمار اور سن رسیدہ بھی ہوتے ہیں۔ اور جب وہ تنہا اپنی نماز پڑھے تو جتنی چاہے طویل نماز ادا کرے۔" (متفق علیہ) تاہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جماعت کی نماز کو طویل بھی کرتے تھے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو میں نماز کو لمبی کرنے کا ارادہ کرتا ہوں، پھر میں بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، کیونکہ بچہ کی ماں کو دشواری میں ڈالنا مجھے ناپسند ہوتا ہے۔"[1] باجماعت فرض نماز کے سلسلہ میں یہی اصل ہے کہ اِس میں دیگر لوگوں کی بھی رعایت کی جائے گی۔ رہی نفل نماز تو اِس کی نوعیت فرض نماز سے مختلف ہے، اس لئے کہ یہ اصلاً بغیر جماعت کے ادا کی جاتی ہے۔ امام مسلم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک رات میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ نے سورۃ البقرہ کی تلاوت شروع کی تو میرے دل میں خیال آیا کہ آپ پوری سورۃ البقرۃ پڑھ کے ایک رکعت مکمل کریں گے، لیکن آپ نے آگے تلاوت جاری رکھی۔ میں نے سوچا کہ اِس سورہ کو پڑھ کے رکوع کریں گے، پھر آپ نے سورۃ النساء شروع کر دی اور اُسے مکمل کیا۔ پھر آپ نے آل عمران شروع کر دی اور اُسے مکمل کیا، آپ رکے بغیر روانی کے ساتھ تلاوت کر رہے تھے، جب کسی تسبیح کی آیت سے گزرتے تو اللہ کی تسبیح بیان کرتے، جب کسی سوال و دعا والی آیت سے گزرتے تو اللہ سے سوال و دعا کرتے، جب پناہ طلب کرنے والی آیت سے گزرتے تو اللہ کی پناہ طلب کرتے۔ پھر آپ نے رکوع کیا۔ آپ رکوع میں سبحان ربی العظیم کہتے رہے۔ آپ کا رکوع بھی تقریباً قیام ہی کے مثل تھا۔ پھر آپ نے سمع اللہ لمن حمدہ کہا اور دیر تک کھڑے رہے، تقریباً رکوع کے برابر۔ پھر آپ نے سجدہ کیا، آپ نے سجدہ میں سبحان ربی الاعلی کہا۔ آپ کے سجود بھی تقریباً قیام کے برابر تھے۔"

امام مسلم نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ "میں نے ایک مرتبہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات کی نماز ادا کی۔ آپ نے اتنی لمبی نماز پڑھی کہ میرے دل میں بُرا خیال آگیا۔ راوی نے دریافت

---

(1) صحیح البخاری مع فتح الباری (2/201)

کیا کہ آپ کے دل میں کو کونسا بُرا خیال آ گیا۔ انہوں نے کہا: میں نے بیٹھ جانے کا ارادہ کر لیا اور سوچا کہ آپ کے ساتھ حالت قیام کو چھوڑ دوں۔"[1]

اوپر نقل کی گئی چاروں احادیث آپس میں متعارض ہیں بایں طور کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی امامت کرنے والے کو نماز ہلکی پڑھانے کا حکم دیا لیکن کبھی آپ بھی طویل نماز پڑھانے کا ارادہ کرتے تھے۔ آپ نے دونوں حالتوں میں امامت کی۔ اس طرح آپ کا عمل آپ کے قول کے بر خلاف ہو گیا۔ اِن دونوں احادیث کے درمیان جمع و تطبیق کی صورت ممکن ہے جبکہ اِن احادیث کے مطالب کی تحدید کر دی جائے۔ ابو ہریرہ اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے پہلی نظر میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فرض نماز کے تعلق سے آئی ہیں، اس لئے کہ فرض نمازوں ہی میں امام مقرر کرنا مشروع ہے۔ نفل نماز کا معاملہ اِس کے بر خلاف ہے، کیونکہ اصلاً یہ نماز تنہا گھروں میں ادا کی جاتی ہے۔ چنانچہ فرض نماز کے اماموں کے لئے ضروری یہ ہے کہ وہ ہلکی نماز پڑھائیں جبکہ انھیں معلوم نہ ہو کہ ان کے پیچھے جو مقتدی ہیں وہ لمبی نماز پڑھنا چاہتے ہیں جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ اور اماموں کے لئے ہلکی نماز پڑھانا اس صورت میں مزید ضروری ہو جاتا ہے جبکہ انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ مقتدی لمبی نماز سے اذیت محسوس کر رہے ہیں جیسا کہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

حذیفہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اماموں کے کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ تہجد کی نماز کو لمبی کریں، اس لئے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے جبکہ ان کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لمبی نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

یہی بات ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے کہ انہوں نے طویل قیام سے اذیت محسوس کی، لیکن انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء سے اذیت محسوس نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بیٹھ جانے کا تو ارودہ کیا لیکن نماز چھوڑ کر واپس چلے جانے کا ارادہ نہیں کیا۔

---

(1) صحیح مسلم مع شرح النووی((6/ 63،61)

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام ماہ رمضان میں لوگوں کو ایسی نماز پڑھائے گا جس کی ادائیگی ان کے لئے آسان اور ہلکی ہو، اس کی وجہ سے انہیں مشقت محسوس نہ ہو۔ خاص طور پر چھوٹی راتوں میں۔ یہ معاملہ لوگوں کے تحمل و برداشت پر منحصر ہے۔[1]

ہمارے سامنے دو حالتیں ہیں۔ ایک حالت یہ ہے کہ کوئی شخص نماز کے لمبی ہونے کی وجہ سے بقیہ نماز میں امام کی اقتداء کو چھوڑ کر واپس چلا جاتا ہے اور دوسری حالت یہ ہے کہ کوئی شخص تعداد رکعات کی کثرت کی وجہ سے امام کی اقتداء ترک کر کے واپس ہو جاتا ہے۔ اِن دو حالتوں کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے۔ پہلی حالت میں ائمہ کے لئے ضروری ہے کہ نماز کے طول کو کم کر دیں تاکہ لوگوں کو اِس عظیم عبادت میں ائمہ کے ساتھ شریک ہونے سے تنفر کرنے سے بچیں۔ اِس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس حکم کی تعمیل بھی ہے کہ ائمہ نیکی و تقوی میں لوگوں کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ہلکی نماز پڑھایا کریں۔

دوسری حالت میں ائمہ کے لئے یہ مشروع نہیں ہے کہ وہ مقتدی کی وجہ سے رکعات کی تعداد کم کر دیں۔ اس لئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلکی نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے، آپ نے رکعات کی تعداد کو کم کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ امام کی اقتداء میں کچھ رکعات ادا کرنے والے مقتدی نے اپنی سہولت بھر نماز ادا کر لی ہے، اب بقیہ رکعات کو چھوڑ کر وہ جا رہا ہے تو اِس میں امام کے لئے کوئی سبب نہیں ہے کہ وہ اس کی رعایت کرے۔ اس حالت میں امام کے لئے یہ مشروع نہیں ہے کہ وہ کچھ لوگوں کی وجہ سے خود کو اور بقیہ مقتدیوں کو مزید نماز ادا کرنے سے محروم رکھے جسے وہ بسہولت ادا کرنے کی طاقت و چاہت رکھتے ہیں۔

رہا اماموں کا گیارہ رکعات پر اکتفاء کرنا اور مزید رکعات کو ترک کر دینا جسے وہ اور ان کے مقتدی بآسانی ادا کر سکتے ہیں، یہ سمجھ کر کہ زیادہ پڑھنے سے یہ گیارہ رکعات پڑھنا ہی افضل ہے۔ اِس طرح کا خیال محل نظر ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے خود کو اور اپنے مقتدیوں کو اُس عمل کا ثواب حاصل کرنے سے محروم رکھا جس کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اور اس عمل کو زیادہ سے زیادہ انجام دینے والے کی تعریف کی ہے۔

---

(1) المغنی (169/2)

رہے وہ لوگ جو تیئس (23) رکعات نماز تراویح پڑھانے والے ائمہ کے پیچھے مکمل نماز ادا کئے بغیر لوٹ جاتے ہیں اور دوسروں کو یہ کہہ کر بقیہ نماز ترک کر دینے کی دعوت دیتے ہیں کہ یہ امام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے بدعت پر عمل کرنے والا ہے۔ تو یہ رویہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ رات کی نماز کو زاد راہ بنانے کی فضیلت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہے، بلکہ نصوص میں یہ صراحت ہے کہ تہجد کی نماز کو توشۂ آخرت بنانا اور حسب سہولت اِس نماز کو ادا کرنا مشروع ہے۔ نیز لوگوں کو تیئس (23) رکعات نماز ادا کرنے والے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ نماز نہ ادا کرنے کی دعوت دینا تفرقہ بازی ہے جس سے شریعت میں منع کیا گیا ہے اور یہ شذوذ کی راہ اختیار کرنا ہے جس پر وعید آئی ہے۔ یہ لوگ کیسے اپنے لئے یہ جائز سمجھتے ہیں کہ جو شخص قرآن کریم اور سنت نبویہ کے مدعا پر عمل کر رہا ہے اُسے بدعتی قرار دیں؟ چنانچہ وہ لوگوں کو اِس نیک عمل کی متابعت سے روکتے ہیں جبکہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اس طرح کا عمل کرنے والے کی تعریف کی ہے اور زیادہ سے زیادہ اِس طرح کا عمل انجام دینے کو سراہا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "كانوا قليلا من الليل ما يهجعون"[1] (وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: "والذين يبيتون لربهم سُجّدا وقياما "[2] (اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں) ایک اور جگہ ارشاد ہے: "أم من هو قانت آناء الليل ساجدا وقائما يحذر الآخرة ويرجو رحمة ربه"[3] (بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں (عبادت میں) گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید کی رکھتا ہو)

اِن لوگوں کا یہ رویہ صحیح نہیں ہے کہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھنے والوں کی مذمت کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أرأيت الذي ينهى عبدا إذا صلى" (بھلا اُسے بھی تونے دیکھا جو بندے کو روکتا ہے جبکہ وہ نماز ادا کرتا ہے) اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے: میں اُسی طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح اپنے ساتھیوں کو پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں کسی کو نہیں روکتا کہ وہ دن رات میں جتنی چاہے نفل نماز پڑھے، الا یہ کہ وہ طلوع وغروب آفتاب کا خیال نہ رکھے تو

---

(1) سورة الذاریات/17

(2) سورة الفرقان/64

(3) سورة الزمر/9

میں اسے ٹوکتاہوں۔"[1] میں ہر سلفی بلکہ اہل حدیث کی نسبت رکھنے والے ہر شخص کو بلکہ ہر مومن کو یہ نصیحت کرتاہوں کہ وہ کتاب اللہ اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی مخالفت نہ کرے۔ یہ لوگ اپنے کچھ شیوخ کی غلطیوں کی تقلید کرتے ہوئے زیادہ نوافل سے جو روکتے ہیں اور حرمین شریفین اور دیگر مساجد میں زیادہ نوافل پڑھنے والوں کی جو عیب جوئی کرتے ہیں تو یہ کتاب اللہ کے منشااور عمل صحابہ کی مخالفت ہے۔

امام ابن ابی العز رحمہ اللہ کہتے ہیں: کتاب و سنت اور اجماع سلف امت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین، نماز کے امام، حاکم، امیر جنگ اور صدقہ وصول کرنے پر مامور عامل کی اجتہادی امور میں اطاعت کی جائے گی۔ اِن سربراہان پر اجتہادی امور میں اپنے متبعین کی اطاعت لازم نہیں ہے بلکہ متبعین پر ان کی اطاعت لازم ہے۔ یہ امراء اپنی رائے کے لئے متبعین کی رائے کو ترک کر دیں گے۔ اس لئے کہ اجتماعیت وشیرازہ بندی کا فائدہ اور اختلاف وانتشار کی مضرت جزوی مسائل سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اِسی وجہ سے حکام کے لئے ایک دوسرے کی حکم عدولی جائز نہیں ہے۔ صحیح اور قطعی موقف یہ ہے کہ ان حکام کی نماز ایک دوسرے کے پیچھے صحیح ہوتی ہے۔ ابو یوسف کے بارے میں منقول ہے کہ جب انہوں نے ہارون رشید کے ساتھ حج کیا تو خلیفہ نے پچھنا لگوایا۔ مالک نے ان کو فتوی دیا تھا کہ پچھنا لگوانے کے بعد ان کے لئے وضو ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ خلیفہ ہارون رشید نے پچھنا لگوانے کے بعد بغیر وضو کئے لوگوں کی امامت کی۔ ابو یوسف سے دریافت کیا گیا: کیا آپ نے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی؟ تو انہوں نے کہا: سبحان اللہ، وہ امیر المومنین ہیں۔ ان کا مقصد در اصل یہ بتانا تھا کہ مسلم سربراہان وامراء کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اہل بدعت کا فعل ہے۔ علاوہ ازیں امام بخاری کی نقل کردہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ تمہیں نماز پڑھاتے ہیں، اگر وہ سب کچھ صحیح طریقہ سے انجام دیتے ہیں تو اس کا ثواب تم کو بھی ملے گا اور ان کو بھی ملے گا اور اگر وہ غلطی کرتے ہیں تو تم کو ثواب ملے گا اور گناہ ان کے ذمہ ہو گا۔“ اس معاملہ میں صریح نص ہے کہ امام جب غلطی کرتا ہے تو اس کا ذمہ دار امام ہی ہوتا ہے مقتدی امام کی غلطی سے بری الذمہ ہوتا ہے۔ مجتہد کا معاملہ یہ ہے کہ اگر وہ کسی واجب کو یہ سمجھ کر ترک کر دے کہ یہ واجب نہیں ہے یا کسی ممنوع کام کو یہ سمجھ کر کرے کہ یہ ممنوع نہیں ہے تو اِسے اس کی اجتہادی غلطی میں شمار کیا جاتا ہے۔ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے اِس صریح و صحیح حدیث کے برخلاف کرنا جائز نہیں ہے جبکہ یہ حدیث اس تک پہنچ چکی ہو۔ یہ حدیث ان احناف، شوافع اور

---

(1) صحیح بخاری، حدیث نمبر (589)

حنابلہ کے خلاف حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جب امام کسی ایسی چیز کو چھوڑ دے جسے مقتدی واجب سمجھتا ہے تو اس امام کی اقتداء درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اجتماعیت و شیرازہ بندی کا خیال رکھنا اور فساد و بگاڑ کی طرف لے جانے والے اختلاف کو ترک کر دینا واجب ہے۔ (1)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا تم اس کے ساتھ اختلاف نہ کرو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے: "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں پر یہ واجب کیا ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی قدرت رکھنے کے باوجود اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو بیٹھ کر اس کی اقتداء کریں۔ آپ نے قدرت کے باوجود نماز کے رکن قیام کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے، صرف اس وجہ سے کہ اماموں کی مخالفت سے بچا جائے۔ ابن ابی العز رحمہ اللہ نے اوپر جو بات کہی ہے اس کی شہادت ان مذکورہ احادیث میں موجود ہے۔

پانچواں حکم: گیارہ رکعات کو دوسرے عدد پر فضیلت دینے پر اشکال

ہم بہت سے ائمہ مساجد کو دیکھتے ہیں کہ وہ رمضان کی ابتدائی بیس راتوں میں گیارہ رکعات ادا کرنے کا التزام کرتے ہیں۔ یہ لوگ آٹھ رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے ہیں۔ پھر جب آخری عشرہ شروع ہوتا ہے تو یہ لوگ رات کے پہلے حصہ میں آٹھ رکعات اور دوسرے حصہ میں نو رکعات ادا کرتے ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس طرح انہوں نے سنت پر عمل کر لیا۔ اسی لئے یہ لوگ اس طریقہ کے مطابق قیام اللیل کو تیئیس (23) رکعات سے افضل قرار دیتے ہیں جبکہ تیئیس (23) رکعات کو جمہور مسلمین نے اختیار کیا ہے اور اسی پر حرمین شریفین میں عمل ہے۔

میرے علم کے مطابق اس طریقہ کے مطابق سب سے پہلے شیخ عبد العزیز ابن باز رحمہ اللہ نے قیام اللیل کیا اور ایسا 1380ھ کے بعد ہوا۔

---

(1) شرح العقیدہ الواسطیۃ، ص(325)

ابن باز رحمہ اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت پر عمل کو اختیار کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں ادا کیا۔ ابن باز رحمہ اللہ اپنی تحریروں اور فتاوی میں اس روایت پر عمل کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ کبھی تیرہ رکعات اور گیارہ رکعات کو فضیلت میں یکساں قرار دیتے تھے۔ لوگوں نے ان کے اس فتوی پر عمل کیا اور اکثر ائمہ مساجد گیارہ رکعات ادا کرنے پر اکتفاء کرنے لگے اور اسی کو افضل قرار دینے لگے۔

ان لوگوں کا گیارہ رکعات کو افضل قرار دینا محل نظر ہے۔ اس لئے کہ گیارہ رکعات ادا کرنے میں تیئیس (23) رکعات کی بہ نسبت کم وقت صرف ہوتا ہے لہذا اسے افضل سمجھنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ کتاب اللہ اور صحیح سنت میں جو کچھ آیا ہے اس کے بر خلاف ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل قیام کو مختصر قیام سے افضل قرار دیا ہے۔ امام مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل نماز وہ ہے جس کا قنوت طویل ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسی نماز افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کا قنوت طویل ہو۔

بلکہ گیارہ رکعات کو افضل قرار دینا مسلمانوں کے اجماع کے بر خلاف ہے۔ ابن رشد رحمہ اللہ کا قول ہے: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ نماز جسے ادا کرنے میں زیادہ وقت صرف ہو اس نماز سے افضل ہے جسے ادا کرنے میں کم وقت صرف ہو۔[1] البتہ اگر گیارہ رکعات کا وقت تیئیس (23) رکعات سے زیادہ طویل ہو تو گیارہ رکعات افضل ہوں گی۔

گیارہ رکعات پر یہ اشکال بھی پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان بھر اس عدد کا التزام نہیں کیا، لہذا رمضان میں اس عدد کے التزام کو مستحب کہنا نہ تو سنت مرفوعہ کے موافق ہے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت عمل کے موافق ہے۔ نماز تراویح میں صحابہ کرام کا طریقہ یہ رہا ہے کہ انہوں نے تیئیس (23) رکعات ادا کرنے کی پابندی کی ہے۔

تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح فرمایا ہے کہ وہ نماز افضل ہے جس میں قنوت طویل ہو۔ اس میں سجدے اور قیام دونوں حالتوں میں طویل قنوت شامل ہے۔ وہ نماز جس میں قیام ورکوع وسجود طویل ہو اس نماز سے اولیٰ وافضل ہے جس میں قیام ورکوع وسجود زیادہ ہو، اس لئے کہ طویل

---

(1) الذخیرة (2/407)

قنوت ان ارکان نماز کو طویل کرنے سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ ان ارکان کی کثرت سے۔ اسی طرح کی بات امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی شرح میں کہی ہے۔[1]

ایک اور بات یہ ہے کہ جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل قرار نہیں دیا ہے اسے افضل کہنا قابل اعتراض ہے۔ غیر افضل کو افضل قرار دینے کی وجہ سے بہت سے لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پسند کیا ہے اور اپنی کتاب میں اس کی دعوت دی ہے یعنی وقت تہجد اور قیام کو طویل کرنا۔ ہم کچھ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ حرمین شریفین کے ائمہ کی اقتداء سے منہ موڑ لیتے ہیں جب وہ تیئیس (23) رکعات نماز ادا کرتے ہیں۔ اس وقت یہ لوگ آٹھ یا دس رکعات پڑھنے پر اکتفاء کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد نماز وتر یا تو تنہا ادا کرتے ہیں یا پھر امام کے نماز تراویح سے فارغ ہونے کا انتظار کرتے ہیں، یہاں تک کہ امام کے ساتھ وتر ادا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ائمہ حرمین سنت کے برخلاف کر رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ مزید غلو کرتے ہوئے زیادہ رکعات پر مشتمل نماز کو حنابلہ کی نماز کا نام دیتے ہیں۔ یہ نہایت بری بات ہے۔ یہ لوگ کیسے وقت قیام کو طویل کرنے سے لوگوں کو متنفر کرتے ہیں جس کی اللہ نے اپنی کتاب میں فضیلت بیان کی ہے۔

روایت کو سمجھنے میں ان کے اختلاف کا سبب عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں وارد عدد رکعات پر ان کا اصرار ہے۔ اگر انہیں یہ تفقہ حاصل ہو جاتا کہ قیام اللیل کی فضیلت کی بنیاد وقت قیام کا طویل ہونا ہے نہ کہ گیارہ رکعات کی پابندی کرنا تو وہ اس مخالفت سے محفوظ رہتے۔

یہ صحیح ہے کہ گیارہ رکعات اس صورت میں تیئیس (23) رکعات سے افضل ہوں گی جب ان کی ادائیگی کا وقت تیئیس (23) رکعات کی ادائیگی کے برابر ہو یا اس سے زیادہ طویل ہو۔ اس لئے کہ اس نماز کی خصوصیت طویل قنوت ہے۔

میں نے 1434ھ کے ماہ رمضان کے شروع میں ریاض کی ایک مسجد میں نماز ادا کی تو امام نے گیارہ رکعات ادا کرنے پر اکتفاء کیا لیکن اس رات انہوں نے مکمل ایک پارہ کی تلاوت کی۔ طویل قراءت کی وجہ سے یہ گیارہ رکعات وقت کے اعتبار سے تقریباً تیئیس (23) رکعات پڑھنے کے برابر تھی۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حرز جان بنانے ہی کو ائمہ اسلام نے لائق اعتناء سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سلامتی کے ٹھکانہ کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

---

(1) مجموع الفتاوی (5071/23) شرح صحیح مسلم (35/6)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں قیام اللیل کے لئے رکعات کی کوئی تعداد متعین نہیں کی ہے۔ رمضان اور غیر رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول تیرہ رکعات سے زیادہ پڑھنے کا نہیں تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکعات کو لمبی کرتے تھے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قیام اللیل کے لئے ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں مسلمانوں کو جمع کیا تو وہ بیس رکعات پڑھتے تھے۔ پھر تین رکعات ادا کرتے تھے۔ وہ رکعات میں اضافہ کے بقدر ہلکی و مختصر قراءت کرتے تھے۔ اس لئے کہ مقتدیوں کے لئے اس کی ادائیگی ایک رکعت کو طویل کرنے کی بہ نسبت آسان ہوتی تھی۔ اس کے بعد سلف کی ایک جماعت سے چالیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھنا بھی منقول ہے۔ سلف میں سے کچھ دوسرے حضرات چھتیس (36) رکعات تراویح اور تین رکعات وتر ادا کرتے تھے۔ یہ سب درست ہے۔ رمضان کے قیام اللیل میں ان میں سے جس کو بھی اختیار کیا جائے وہ بہتر ہے۔

ان میں افضل کیا ہے؟ یہ نمازیوں کی صورت حال پر منحصر ہے۔ اگر نمازی طویل قیام کے متحمل ہوں تو دس رکعات تراویح اور اس کے بعد تین رکعات وتر افضل ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیرہ رمضان میں بذات خود ادا کرتے تھے۔ اور اگر نمازی طویل قیام کے متحمل نہ ہوں تو پھر ان کے لئے بیس رکعات تراویح افضل ہے۔ اسی پر اکثر مسلمانوں کا عمل ہے۔ یہ بیس اور چالیس کے درمیان بیچ کی راہ ہے۔ اگر کوئی چالیس یا اس سے کم یا زیادہ پڑھے تو بھی جائز ہے۔ ان میں سے کوئی بھی صورت مکروہ نہیں ہے۔ متعدد ائمہ نے اسے منصوص طور پر بیان کیا ہے۔ جس کا یہ خیال ہو کہ رمضان کی تراویح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی متعین عدد ثابت ہے جس میں اضافہ یا کمی نہیں کی جاسکتی تو وہ غلطی پر ہے۔

جب عدد قیام (تعداد رکعات) میں یہ وسعت و گنجائش ہے تو پھر دعائے قنوت کے لئے قیام میں اضافہ کرنے یا اسے ترک کرنے کے لئے جو گنجائش ہو سکتی ہے وہ واضح ہے۔ ان میں سے ہر صورت اچھی ہے، ان میں کوئی قباحت کی بات نہیں ہے۔ کبھی انسان اپنے اندر چستی محسوس کرتا ہے تو اس کے لئے عبادت کو طویل کرنا افضل ہے اور کبھی چستی و نشاط میں کمی ہوتی ہے تو اس کے لئے عبادت کو ہلکی کرنا افضل ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز معتدل ہوتی تھی۔ آپ جب قیام کو طویل کرتے تو رکوع و سجود کو بھی طویل کرتے تھے اور جب مختصر قیام کرتے تو رکوع و سجود کو بھی مختصر کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز، تہجد کی نماز اور سورج گرہن وغیرہ کی نماز کو اسی طرح ادا کرتے تھے۔

اس میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ طویل قیام افضل ہے؟ یا زیادہ رکوع و سجود کرنا افضل ہے؟ یا فضیلت میں دونوں برابر ہے؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

سب سے صحیح قول یہ ہے کہ فضیلت میں دونوں برابر ہے۔ قیام کی حالت تلاوت کے ساتھ خاص ہے یعنی قیام کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے جو ذکر و دعا سے افضل ہے۔ سجود بذات خود حالت قیام سے افضل ہے، لہذا نمازی کے لئے بہتر یہ ہے کہ جب وہ طویل قیام کرے تو رکوع و سجود کو بھی طویل کرے۔ یہی وہ طویل قنوت ہے جس کی جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں رہنمائی کی تھی جب آپ سے دریافت کیا گیا تھا کہ کونسی نماز افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "طویل قنوت والی نماز افضل ہے۔" قنوت دیر تک عبادت کی حالت میں رہنے کا نام ہے، چاہے وہ حالت قیام ہو یا حالت رکوع و سجود جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أمن هو قانت آناء الليل ساجدا وقائما" (بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں (عبادت میں) گزارتا ہو) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طویل قیام کی طرح طویل سجود کو بھی قنوت میں شمار کیا ہے۔[1]

خلاصہ:

قیام اللیل کی افضل صورت جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی ترغیب سے ہم آہنگ ہے، وہ ہے جس میں ادائیگی کا عرصہ طویل ہو۔ چنانچہ ایک تہائی رات تک ادا کی گئی نماز رات کے چھٹے حصے میں ادا کی گئی نماز سے افضل ہے اور آدھی رات تک ادا کی گئی نماز ایک تہائی رات تک ادا کی گئی نماز سے افضل ہے اور دو تہائی رات تک ادا کی گئی نماز آدھی رات تک ادا کی گئی نماز سے افضل ہے۔ اور اِسی طرح آگے کے لئے بھی کہا جاسکتا ہے۔ رہی یہ صورت حال کہ جب ادائیگی کا وقت برابر ہو مثلاً رات کے چھٹے حصہ تک قیام اللیل کیا گیا ہو تو اِس صورت میں لمبی نماز زیادہ عدد رکعات والی نماز سے افضل ہو گی جیسا کہ سنت سے ثابت ہے۔ جہاں تک تیرہ رکعات کو تیئیس (23) رکعات سے افضل قرار دینے کی بات ہے جبکہ تیئیس رکعات کی ادائیگی کا وقت زیادہ طویل ہو تو یہ فیصلہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ کتاب اللہ کی منشا کے برخلاف ہے۔

---

(1) مجموع الفتاوی (272/22)

اِسی لئے آج کے دور میں عموماً لوگوں کی تیئس (23) رکعات نماز ان کی گیارہ رکعات نماز سے افضل ہے۔ اس لئے کہ آج کل کے اکثر اماموں کے عمل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی گیارہ رکعات تیئس (23) رکعات کے مقابلہ میں بہت کم وقت میں ادا کی جاتی ہے۔ اس بناء پر طویل وقت پر مشتمل ہونے اور صحابہ کرام کے ذریعہ اس کی پابندی کرنے کی وجہ سے تیئس (23) رکعات کو افضل قرار دینا صحیح ہے۔

آج کل کے اماموں کے ذریعہ گیارہ رکعات پڑھنے کا التزام نے ان میں سے بہت سوں کے لئے مشکل پیدا کر دی ہے اور وہ یہ کہ اِس کی وجہ سے نماز تراویح اور قیام اللیل میں قرآن ختم نہیں ہو پاتا ہے جسے اکثر سلف نے مستحب کہا ہے۔ اِسی لئے کچھ امام اخیر کی دس راتوں میں رکعات میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ دس رکعات تراویح پڑھتے ہیں اور دس رکعات پر مشتمل قیام اللیل کرتے ہیں یا قرآن کا وہ حصہ جسے تراویح میں پڑھنا تھا اُس میں سے کچھ فرض نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ خلاف ورزی کرتے ہیں کہ قرآن کا جو حصہ تراویح میں پڑھنا چاہئے تھا اُسے تراویح کے بعد کی دو رکعات میں پڑھتے ہیں۔

اگر یہ لوگ تیئس (23) رکعات تراویح کو معمول بنالیں تو وہ اِس مشکل سے بچ سکتے ہیں اور ان کے مقتدیوں کو زیادہ وقت تک قیام اللیل کرنے کا موقع بھی مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

چھٹا حکم: امام کے سلام پھیرنے کے بعد وتر کو جفت رکعت میں بدلنے کا حکم

کچھ مقتدیوں کو زیادہ قیام اللیل کی چاہت ہوتی ہے تو وہ امام کے وتر کا سلام پھیرنے کے ساتھ سلام نہیں پھیرتے بلکہ کھڑے ہو کر ایک رکعت ادا کرتے ہیں۔ اِس طرح ان کی نماز جفت ہو جاتی ہے تاکہ رات میں ان کی آخری نماز وتر ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق یہ عمل صحیح ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر کسی نے امام کے ساتھ قیام اللیل کیا اور وتر میں بھی اس امام کی اقتداء کرنا چاہتا ہو نیز اس کی یہ خواہش بھی ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھے تو اُسے یہ کرنا چاہئے کہ جب امام وتر کے اختتام پر سلام پھیرے تو وہ امام کے ساتھ سلام نہ پھیرے بلکہ کھڑے ہو کر ایک رکعت ادا کرے۔ اس طرح امام کے ساتھ اس کی نماز جفت ہو جائے گی۔ ابن قدامہ نے اِس مسئلہ کی صراحت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اگر چاہے تو وتر میں کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہو کر (ایک رکعت کے ذریعہ) اپنی نماز کو جفت کر دے اور چاہے تو دو رکعات ادا کرے۔ امام کے ساتھ وتر میں شریک ہو کر اخیر میں ایک رکعت کے ذریعہ نماز کو جفت کرنا میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔ امام احمد سے اس شخص

کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے وتر پڑھ لیا ہو، کیا وہ اس کے بعد دو دو رکعات نماز پڑھے گا؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، لیکن وہ سونے کے بعد اٹھ کر وتر پڑھے گا۔[1]

باتوفیق ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اِسے منصوصاً بیان کیا ہے۔ شاید اس مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کی اقتداء ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ شافعیہ نے اِس مسئلہ میں صراحت کی ہے کہ جب امام ایک سلام پر اکتفاء کرلے تو مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسرے سلام کا اضافہ کرلے، اس لئے کہ امام کے ایک سلام پھیرنے کے بعد اس کی اقتداء ختم ہو چکی ہے۔[2]

امام ابن مفلح رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اِس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: "ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔" اِسے امام احمد اور امام ابو داود نے قیس بن طلق کی روایت سے نقل کیا ہے اور راوی قیس میں لین ہے۔[3]

دو حدیثوں کے عموم سے اِس عمل کی تردید ہوتی ہے۔ ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "امام کو اس لئے متعین کیا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے، لہذا تم نماز میں اس کے برخلاف کوئی عمل نہ کرو۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔ جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔" (متفق علیہ)

یہ حدیث پوری نماز کے دوران امام کی اقتدا کرنے پر دلالت کرتی ہے اور سلام پھیرنا نماز کا ایک جزء ہے۔ اِس روایت کے عموم کو خاص کرنے کے لئے کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ ابن مفلح نے جو روایت ذکر کی ہے وہ اِس حدیث کے عموم کو خاص کرنے کے لائق نہیں ہے، اس لئے کہ اس حدیث میں جو ممانعت ہے وہ دوسرے وتر کی ممانعت ہے۔ اس میں پہلے وتر

---

(1) المغنی(2/163،164)

(2) المجموع(3/427)

(3) المبدع شرح المقنع(2/18)

سے نہیں روکا گیا ہے، لہذا جس عمل سے روکا نہیں گیا ہے وہ امام کی اقتداء کے عمومی حکم اور اس کے برخلاف عمل کرنے کی عمومی ممانعت سے خاص نہیں ہو سکتا ہے۔

اس کی تائید امام بخاری کی نقل کردہ عتبان رضی اللہ عنہ کی اِس روایت سے ہوتی ہے: "ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔ چنانچہ جب آپ نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیرا۔" امام بخاری نے اس کے لئے یہ باب قائم کیا ہے: باب: جس وقت امام سلام پھیرے گا تو مقتدی بھی سلام پھیرے گا۔ (1)

دوسری بات یہ ہے کہ نماز وتر کو رات کے آخری حصہ تک موخر کرنا بالاتفاق مستحب ہے اور امام کی اقتداء ایک ایسا عمل ہے جس کا حکم دیا گیا ہے لہذا اُسے مستحب عمل پر مقدم کرنا اولیٰ ہے۔

رہی دوسری حدیث تو وہ امام بخاری و امام مسلم کی نقل کردہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے پیچھے مردوں کے چیخ وپکار کی آواز سنی۔ نماز کے بعد آپ نے دریافت فرمایا: "تمہیں کیا ہوا جو شور وغل کی آواز آئی؟ لوگوں نے عرض کیا: ہم لوگوں نے نماز میں شریک ہونے کے لئے جلدی کی (بس اسی کی آواز تھی) آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، جب تم نماز کے لئے آؤ تو سکون واطمینان کا مظاہرہ کرو۔ جو نماز تمہیں مل جائے اُسے امام کے ساتھ ادا کرو اور جو نماز فوت ہو گئی ہو اسے بعد میں مکمل کرو۔" (2)

اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد اتمام وہ کرے گا جس کی نماز کا کچھ حصہ امام کے ساتھ فوت ہو گیا ہو، لہذا امام کے ساتھ وتر پڑھنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ امام کے ساتھ سلام بھی پھیرے اگر اس نے اس سے پہلے وتر ادا نہیں کی ہے۔

اوپر امام احمد کے حوالہ سے امام کے ساتھ وتر کو جفت کر دینے کی بات نقل کی گئی ہے، لیکن ابو داود نے ان سے اس کے برخلاف نقل کیا ہے۔ ابو داود کے بقول: میں نے امام احمد کو یہ کہتے ہوئے سنا: مجھے یہ بات پسند ہے کہ نمازی امام کے ساتھ

---

(1) صحیح البخاری مع الفتح (2/323)

(2) صحیح البخاری مع الفتح (2/116)

تراویح بھی پڑھے اور وتر بھی اس کے ساتھ ادا کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "آدمی جب امام کے ساتھ قیام اللیل کرتا ہے یہاں تک کہ امام نماز سے فارغ ہو کر واپس ہو جائے تو مقتدی کو رات کے بقیہ حصہ میں بھی نماز پڑھنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔"

ابو داود کہتے ہیں: امام احمد لوگوں کے ساتھ قیام اللیل کرتے تھے اور ان ہی کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔ اثرم کہتے ہیں: مجھے اس شخص نے بتایا جو ماہ رمضان میں ان کی امامت کرتا تھا کہ امام احمد ان کے ساتھ مکمل تراویح پڑھتے تھے اور وتر بھی ان ہی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔(1)

ابن مفلح نے امام احمد سے اِس سلسلہ میں دو روایتیں ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: امام احمد سے منقول ایک روایت یہ ہے کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ ہی وتر ادا کرے۔ آجری نے اِسی کو اختیار کیا ہے۔ اس کے بعد ابن مفلح نے ذکر کیا ہے کہ قاضی کا مسلک یہ ہے کہ اگر مقتدی کا امام کے ساتھ وتر ادا کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو وہ امام کے ساتھ وتر میں شریک نہ ہو بلکہ وہ واپس چلا جائے تاکہ امام کی تکبیر تحریمہ نے جس چیز کا تقاضہ کیا ہے اس میں اضافہ کی نوبت نہ آئے۔(2)

ساتواں حکم: سفر وحضر کی نماز میں امام کے برخلاف کرنے کی جائز صورتیں

مقتدی پر یہ لازم ہے کہ وہ سلام پھیرنے تک امام کی اقتداء ترک نہ کرے، الا یہ کہ امام کے ساتھ اس کی نماز کا کچھ حصہ فوت ہو گیا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: "امام کے ساتھ نماز کا جو حصہ تمہیں مل جائے اُسے ادا کرو اور جو حصہ فوت ہو گیا ہو اُسے بعد میں مکمل کرو۔" یا جب امام کی نماز عدد رکعات میں مقتدی کی واجب عدد رکعات سے کم ہو، مثلاً کوئی مقیم مسافر کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: "تم لوگ چار رکعات نماز پڑھو اِس لئے کہ ہم مسافر ہیں۔" یا کوئی شخص عشاء کی فرض نماز تراویح پڑھانے والے امام کے پیچھے پڑھ رہا ہو، اس لئے کہ نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھنے والے کی نماز صحیح ہوتی ہے جیسا کہ معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے۔ نیز اِس لئے بھی کہ مقتدی کو جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے۔ امام کے برخلاف کرنے کی ایک جائز صورت یہ ہے کہ مقتدی وتر کی نماز پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ شامل ہوا اور

---

(1) المغنی(2/170،169)

(2) المبدع(2/18،19)

اس کے پیچھے وتر ادا کی تو اب اس مقتدی کے لئے واجب ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور ایک رکعت کے ذریعہ اپنی نماز کو جفت کر دے تا کہ ایک رات دو وتر پڑھنا لازم نہ آئے۔

رہی یہ صورت کہ کوئی مسافر اپنی عشاء کی نماز مغرب کی نماز ادا کرنے والے امام کے پیچھے پڑھے تو اِس صورت میں مسافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی نماز کو مکمل کرے۔ وہ مسافر امام کی اقتداء کرتے ہوئے عشاء کی چار رکعات ادا کریگا۔ اس لئے کہ امام مغرب کی مکمل نماز پڑھ رہا ہے، اس کی نماز قصر نہیں ہے تو پھر مقتدی کے لئے یہ درست نہیں ہے وہ اُس کے پیچھے عشاء کی قصر کرے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مغرب کی نماز میں امام کی اقتداء کرے اور جب امام سلام پھیرے تو یہ مسافر اپنی عشاء کی نماز کو اٹھ کر مکمل کرے تا کہ امام کے برخلاف کرنا لازم نہ آئے۔

رہی یہ صورت کہ جب مقتدی، چاہے وہ مقیم ہو یا مسافر، مغرب کی نماز اس شخص کے پیچھے ادا کرے جو حالت اقامت میں عشاء کی نماز پڑھ رہا ہو تو اِس صورت میں مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ جب امام عشاء کی چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو تو وہ اپنے آخری تشہد کے لئے بیٹھا رہ جائے، پھر وہ چاہے تو امام کے سلام پھیرنے سے پہلے سلام پھیر لے یا وہ امام کے سلام پھیرنے تک انتظار کرے، لیکن اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے تشہد کو مکمل کرنے کے بعد سلام پھیر لے، اس لئے کہ اس نے اپنے تشہد میں بیٹھ کر امام سے الگ ہونے کی نیت کی تھی تو وہ اب دوسری مرتبہ اپنی نیت تبدیل کر کے امام کے ساتھ پھر سے نماز میں داخل نہ ہو۔ نیز اس وجہ سے بھی اسے سلام پھیر لینا چاہئے کہ امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کرنے کی وجہ سے اس کا جلسۂ تشہد غیر ضروری طور پر طویل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

آٹھواں حکم: قیام اللیل اور نماز تراویح کے درمیان فصل کرنا

ہمارے ملک میں بعد کے حنابلہ کا اس پر عمل چلا آرہا ہے کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں نماز تراویح کے بعد قیام اللیل کا اضافہ کرتے ہیں اور دونوں کے درمیان فصل بھی کرتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ میں نے اس عمل کے آغاز کی تاریخ کو جاننے کی کوشش کی تو مجھے اس کا علم نہیں ہو سکا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے حرم مکی میں سب سے پہلے شیخ عبد اللہ خلیفی رحمہ اللہ نے اس پر عمل کیا۔ گزشتہ صدی ہجری کی ساتویں دہائی کے اوائل میں جب انہیں شیخ ابو السمیح رحمہ اللہ کے ساتھ حرم مکی میں امامت کی ذمہ داری سونپی گئی تو انہوں نے اس عمل کا آغاز کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگ رمضان کے آخری عشرہ میں نماز تراویح سے فارغ ہونے کے بعد رات کے آخری حصہ میں نماز تہجد کو مختلف ٹولیوں کی شکل

میں ادا کر رہے ہیں۔ ہر جماعت اپنے اپنے امام کے پیچھے اس نماز کو ادا کرتی تھی تو شیخ عبد اللہ خلیفی رحمہ اللہ نے ان سب کو جمع کر کے انہیں تیرہ رکعات پڑھائی۔ اس طرح تراویح اور تہجد کو ملا کر کل چھتیس (36) رکعات ہو گئیں۔ اس وقت لوگ دو وتر ادا کرتے تھے، ایک وتر تراویح کے ساتھ اور دوسری قیام اللیل (تہجد) کے ساتھ۔ ایک وتر کی امامت شیخ خلیفی کرتے تھے اور دوسرے وتر کی امامت ان کے شریک امام شیخ ابو السمیح کرتے تھے۔ 1414ھ تک اسی طرح دو وتر پڑھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے رات کے آخری حصہ میں ایک وتر پر اکتفاء کرنے کا فتوی دیا تاکہ مقتدیوں کو ایک رات میں دو وتر ادا کرنے کی نوبت نہ آئے۔

سلف کے نزدیک نماز تراویح کے بعد پڑھی جانے والی نماز کو تعقیب کا نام دیا جاتا ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: تعقیب یہ ہے کہ کوئی شخص نماز تراویح کے بعد جماعت کے ساتھ مزید نوافل ادا کرے یا دوسری جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کرے۔ امام احمد کے نزدیک ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نماز کے بارے میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ جس خیر کو پانے کی امید رکھتے ہیں اسی کے لئے دوبارہ نماز کی طرف لوٹتے ہیں یا شر (عذاب) سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ وہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔[1]

میں کہتا ہوں: میں نے دیکھا ہے کہ اس دور میں کچھ لوگ یہ کہہ کر اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اس کے جواب میں میں کہتا ہوں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے تعلق سے وارد احادیث پر غور کرنے والے کے سامنے اس کی دو نوعتیں آتی ہیں:

پہلی نوعیت: سات اور نو رکعات پر مشتمل نماز کی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان رکعات کو ایک ہی وقت میں سلام سے فصل کئے بغیر ادا کرتے تھے۔ دوسری نوعیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب گیارہ رکعات ادا کرتے تو ان رکعات کو رات کے کئی اجزاء پر تقسیم کرتے تھے۔ چنانچہ آپ چار رکعات ادا کرنے کے بعد فصل کرتے تھے۔ پھر چار رکعات ادا کرتے، پھر نیند کے ذریعہ فصل کرتے تھے، پھر تین رکعات ادا کرتے تھے۔ آپ کی نماز کی اس کیفیت کی دو دلیلیں عائشہ

---

(1) المغنی (608/2)

رضی اللہ عنہا سے مروی دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے چار رکعات ادا کرتے تھے، پھر چار رکعات ادا کرتے تھے، پھر تین رکعات ادا کرتے تھے۔ اس روایت میں ثم کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے جو کسی کام کو ٹھہر ٹھہر کر وقفہ وقفہ سے کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان رکعات کے درمیان طویل فصل کیا۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوتے ہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سونے کے ذریعہ فصل کرتے تھے۔ اس کے پیچھے حکمت یہ تھی کہ چستی اور تازگی کے ساتھ اگلی نماز کو ادا کرنے کے لئے آپ تیار ہو جائیں۔

آج کل جو ہم حنابلہ کا عمل دیکھتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ فصل کرتے ہیں تو یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا حصہ ہے اور آپ کا عمل اس فصل کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے، اس لئے کہ یہ آپ ہی کے عمل کا ایک حصہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو مرتبہ فصل کرتے تھے۔ پہلی چار رکعات ادا کرنے کے بعد ایک فصل، پھر آخری چار رکعات ادا کرنے کے بعد وتر سے قبل دوسری مرتبہ فصل۔

ماہ رمضان کے شروع کے بیس دنوں کی نماز اور رمضان کے آخری عشرہ کی نماز کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا بھی سنت کے موافق ہے، اس لئے کہ رمضان کے شروع کے بیس دنوں کی نماز تیئیس (23) رکعات پر مشتمل ہوتی ہے جو ایک ہی وقت میں ادا کی جاتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز بھی ادا کرتے تھے اور سوتے بھی تھے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ ازار کو مضبوطی سے باندھ لیتے تھے اور نماز کے لئے اپنے اہل وعیال کو بیدار کرتے تھے۔ ازار کو مضبوطی سے باندھ لینا اس بات سے کنایہ ہے کہ آپ اِن راتوں میں نہیں سوتے تھے بلکہ پوری رات کو عبادت میں گزارتے تھے، لہذا اخیر کی دس راتوں میں شروع کی بیس راتوں کی بہ نسبت زیادہ وقت نماز کی حالت میں گزارنا بھی سنت کے موافق ہے۔ واللہ اعلم

نواں حکم: اماموں کا جفت رکعات کے ساتھ وتر کو ملانا

ایک سلام کے ساتھ تین رکعات وتر پر مسلمانوں کا اجماع ہے بلکہ احناف نے اسے واجب کہا ہے۔ جمہور کے نزدیک ایک سلام سے تین رکعات وتر پڑھنا جائز ہے اور اس سے افضل صورت یہ ہے کہ وتر کو جفت رکعت سے الگ کرکے پڑھا جائے، یعنی ایک رکعت وتر پڑھی جائے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعات ہے۔ جب تم میں سے کسی کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ ایک رکعت وتر ادا کرلے۔ نیز اس لئے بھی یہ صورت افضل ہے کہ اس میں دو تشہد اور دو سلام ہونے کی وجہ سے یہ زیادہ ذکر و دعا پر مشتمل ہے۔ اس میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے۔

اشکال اس میں ہے کہ تراویح کا امام ہر رات وتر کو جفت رکعات سے الگ کرکے ادا کرے اور لوگ اس طریقہ سے وتر پڑھنے کے عادی ہو جائیں، پھر وہ کسی رات مقتدیوں کو بتائے بغیر وتر کو جفت سے ملا کر ایک سلام کے ساتھ پڑھے۔ اس صورت میں امام کی نماز کے تعلق سے تو کوئی اشکال نہیں ہے۔

اس میں اشکال مقتدیوں کی نماز کے تعلق سے ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے امام کے ساتھ اس نیت کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہا ہے کہ یہ جفت رکعات پر مشتمل نماز ہے۔ پھر اچانک انہیں نماز کے دوران پتہ چلا کہ ایسا نہیں ہے تو انہوں نے وتر کی نیت کرلی۔ اس میں مقتدیوں کے ارادہ کے بغیر نماز کے دوران ان کی نیت نماز کو تبدیل کرنا لازم آتا ہے لہذا یہ اشکال کی صورت بن جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی وجہ سے جفت نماز وتر نماز ہو گئی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر نمازی نماز میں یہ سمجھ کر داخل ہوا کہ یہ جفت نماز ہے، پھر اس نے ایک رکعت ادا کی تو وہ اس ایک رکعت کے لئے وتر نماز کی نیت نہیں کر سکتا ہے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ جفت نماز کو مکمل کرے، پھر اس کے بعد وتر ادا کرے۔ اس لئے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت جو نیت کی گئی ہے اس کا اعتبار ہوتا ہے، اس حدیث کی وجہ سے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اس اشکال سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ یا تو امام مقتدیوں کو نماز شروع کرنے سے پہلے آگاہ کردے کہ اب وہ تین رکعات وتر ادا کرے گا یا پھر وہ جفت رکعات کے ساتھ ملا کر وتر ادا نہ کرے۔

اس پر بھی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ امام نے تراویح کے اندر قرآن کی جو تلاوت کی ہے اسی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے جفت رکعات کے اندر بھی قرآن پڑھے تاکہ ماہ رمضان کے آخر میں ختم قرآن ہو سکے، پھر امام اسی جفت رکعات سے ملا کر وتر پڑھ لے۔ اس میں اشکال اس وجہ سے ہے کہ بہت سے مقتدیوں نے جفت نماز کی نیت سے تکبیر تحریمہ کہی تھی تاہم انہیں

دوران نماز اچانک پتہ چلا کہ یہ نماز وتر ہے تو مقتدی کی نیت جفت نماز سے وتر نماز میں تبدیل ہو گئی، لہذا اس پر بھی اشکال پیدا ہوتا ہے۔

نماز تراویح کے بعد سبح اسم ربک الأعلی اور قل یاأیھا الکافرون کی تلاوت کرتے ہوئے دو رکعات جفت نماز ادا کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ مقتدیوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان دو رکعات کے ختم ہونے کے بعد وتر ادا کی جائے گی۔ اس کی وجہ سے مقتدی حضرات صحیح نیت کے ساتھ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہتے ہیں۔ ان کی نیت امام کی نیت کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سے ہر چیز میں امام کی اقتداء کرنے اور اس کے برخلاف کچھ کرنے سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لئے اماموں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مقتدیوں کی نمازوں کی بھی فکر کریں تاکہ اماموں کے برخلاف کرنے کی وجہ سے مقتدیوں کے ذریعہ کی گئی غلطی کا سبب وہ نہ بنیں۔

میں نے ایک اور بات نوٹ کی ہے کہ کچھ مقتدیوں کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ امام انہیں پہلے ہی آگاہ کر دیں کہ وہ عنقریب پہلی رکعت یا دوسری رکعت میں سجدۂ تلاوت کرنے والے ہیں۔ اس لئے کہ سجدۂ تلاوت کے وقت اکثر عورتیں رکوع میں چلی جاتی ہیں، کیونکہ وہ مقتدیوں سے بالکل الگ ہوتی ہیں، انہیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی عادت نہیں ہوتی ہے، وہ قرآن میں سجدہ کی جگہوں سے واقف نہیں ہوتی ہیں تو وہ نماز کے بقیہ حصہ میں امام کی اقتداء کرنے میں غلطیاں کرتی ہیں، خاص طور پر جب آیت سجدہ دوسری رکعت کی قراءت کے آخر میں ہو تو امام سجدہ کرنے کے لئے تکبیر کہتا ہے، پھر سجدہ سے اٹھ کر قیام کرنے کے لئے تکبیر کہتا ہے، پھر وہ رکوع کرنے کے لئے تکبیر کہتا ہے۔ ایسی حالت میں عام مقتدیوں سے دور ہٹ کر نماز پڑھنے والی عورتیں بہت بڑی مشکل میں پڑ جاتی ہیں۔ اس کا اندازہ تب ہوا جب اس طرح کی مشکل کا شکار ہونے والی عورتوں نے اپنی نماز کے صحیح ہونے کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا۔ اقتداء کرنے والی خواتین کو اس طرح کی غلطیوں سے بچانے کے لئے ائمہ چاہیں تو پہلی ہی رکعت میں سجدۂ تلاوت کریں۔ اس لئے کہ خواتین کو پہلی رکعت میں طویل قراءت کی عادت ہوتی ہے۔ میں نے مقتدیوں کی نماز کو اس طرح کی غلطیوں سے محفوظ رکھنے کی خاطر ان خلاف ورزیوں سے آگاہ کرنا مناسب سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق سے نوازنے والا ہے۔

جمہور مسلمین زمانہ سے تئیس (23) رکعات نماز تراویح ادا کرتے آرہے ہیں۔ اس تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے وہ آج بھی پورے رمضان میں رات کے پہلے حصہ میں مساجد کے اندر تئیس (23) رکعات تراویح با جماعت ادا کر رہے ہیں۔ وہ

تراویح میں اس عدد کا التزام کرتے ہیں اس لئے کہ وہ رمضان کی پہلی بیس راتوں میں اور اخیر عشرہ کی راتوں میں عدد رکعات کو الگ الگ کر کے نہیں پڑھتے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا: کیا قیام اللیل (یعنی تراویح) کو رات کے آخری حصہ تک موخر کیا جا سکتا ہے ؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، اس سلسلہ میں مسلمانوں کی جو سنت چلی آ رہی ہے وہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ ان کی بات ختم ہوئی۔

رہا نماز تراویح کے بعد دوسری مرتبہ نوافل کی ادائیگی کے لئے جماعت قائم کرنا تو اس سلسلہ میں امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: جہاں تک تعقیب کا تعلق ہے، یعنی تراویح کے بعد جماعت کے ساتھ نوافل پڑھنا یا ایک مرتبہ تراویح پڑھ لینے کے بعد دوسری باجماعت تراویح میں شریک ہونا تو امام احمد سے اس سلسلہ میں یہ منقول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے: لوگ جس خیر کی امید رکھتے ہیں اسی کو حاصل کرنے کے لئے دوبارہ نماز کے لئے لوٹتے ہیں یا شر (عذاب الٰہی) سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔[1]

ہمارے آج کے دور تک حرمین شریفین میں تیئیس (23) رکعات تراویح کا التزام چلا آ رہا ہے۔ تاہم گزشتہ صدی میں اسی کی دہائی سے پہلے جب شیخ عبد اللہ خلیفی رحمہ اللہ کو مسجد حرام میں امامت کی ذمہ داری ملی اور انہوں نے ابو السمیح رحمہ اللہ کے ساتھ مل کر مسجد حرام میں امامت کی ذمہ داری سنبھالی تو انہوں نے بہت سے مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں نماز تراویح کے بعد متفرق جماعتوں میں نوافل پڑھ رہے ہیں تو انہوں نے دوبارہ لوگوں کو باجماعت قیام اللیل کے لئے جمع کیا اور انہیں دس رکعات نماز پڑھائی جس میں وہ طویل قراءت کرتے تھے۔ پھر رات کے آخری حصہ میں انہیں تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔ ابو السمیح رحمہ اللہ بھی رات کے پہلے حصہ میں تراویح کے اختتام پر مقتدیوں کو نماز وتر پڑھاتے تھے۔ اس کے بعد ہمارے ملک کی عام مساجد میں اسی طرح تراویح و قیام اللیل کا چلن عام ہو گیا۔ یعنی رمضان کے اخیر عشرہ میں رات کی نماز دو مرتبہ باجماعت ادا کی جاتی ہے۔

1414ھ میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے اپنا فتوی صادر کیا کہ ائمہ حرمین ایک مرتبہ وتر کی نماز پڑھانے پر اکتفاء کریں اور یہ رات کے آخری حصہ میں قیام اللیل کے بعد ادا کی جائے تاکہ لوگ ایک رات میں دو وتر ادا نہ کریں۔

---

(1) المغنی (608/2)

اسی کے ساتھ جمہور سلف کے نزدیک نماز تراویح کی سب سے کم تعداد بیس رکعات ہے اور اس کے بعد تین رکعات وتر ہے۔ مالکیہ کے مسلک کے مطابق تراویح کی نماز چھتیس (36) رکعات ہے اور وتر پانچ رکعات ہے۔ یہ لوگ اہل مدینہ کے عمل کو حجت بناتے ہیں لیکن جمہور نے تیئس (23) رکعات پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع سے استدلال کیا ہے۔ امام ابن قدامہ نے یہ اجماع نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ مالکیہ کے مسلک کے مطابق تمام اہل مدینہ نے چھتیس رکعات نماز ادا کی تو پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں جو کیا اور ان کے زمانہ میں تمام صحابہ کا جس پر اجماع ہوا اس کی اتباع کرنا اولیٰ وافضل ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جس پر عمل تھا وہ اولیٰ اور اتباع کا زیادہ مستحق ہے۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمارا مسلک یہ ہے کہ تراویح کی نماز وتر کے علاوہ دس سلام سے بیس رکعات ہے۔ یہ نماز پانچ ترویحات پر مشتمل ہو گی۔ ایک ترویحہ دو مرتبہ سلاموں کے ذریعہ چار رکعات پر مشتمل ہو گا۔ یہی ہمارا مسلک ہے۔ یہی بات ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور احمد وداود وغیرہ نے بھی کہی ہے۔ قاضی عیاض نے اسی کو جمہور علماء کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اسود بن یزید چالیس رکعات تراویح اور سات رکعات وتر پڑھتے تھے۔

مالک نے کہا ہے: تراویح نو ترویحات پر مشتمل وتر کے علاوہ چھتیس (36) رکعات ہے۔ انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ اہل مدینہ اسی طرح تراویح پڑھتے تھے۔ انہوں نے نافع کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ رمضان میں رات کی نماز انتالیس (39) رکعات ادا کرتے تھے، ان میں سے تین رکعات وتر ہوتی تھی۔ ہمارے اصحاب نے بیہقی وغیرہ کی صحیح سند سے نقل کردہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے: ”عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمان ماہ رمضان میں رات کی نماز بیس رکعات ادا کرتے تھے۔ وہ لوگ سو یا اس سے زائد آیات پر مشتمل سورہ کی تلاوت کرتے تھے۔ عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں وہ حالت قیام کی سختی کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔“ یزید بن رومان کی روایت ہے: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تیئس (23) رکعات ادا کرتے تھے۔ مالک نے اس روایت کو ”الموطا“ میں یزید بن رومان سے نقل کیا ہے نیز اسے بیہقی نے بھی نقل کیا ہے، لیکن یہ روایت مرسل ہے، اس لئے کہ یزید بن

---

(1) المغنی (604/2)

رومان نے عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں: ان دونوں روایتوں میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ لوگ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ بیہقی نے علی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے کہ رمضان میں قیام اللیل بیس رکعات ہے۔ مالکیہ نے اہل مدینہ کے عمل کا جو حوالہ دیا ہے تو اس کے تعلق سے ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ اہل مکہ ہر دو ترویحات کے درمیان ایک طواف کرتے تھے اور دو رکعات نماز پڑھتے تھے۔ وہ لوگ پانچویں ترویحہ کے بعد طواف نہیں کرتے تھے تو اہل مدینہ نے (ثواب میں) ان کی برابری کرنے کی کوشش کی اور ہر طواف کی جگہ چار رکعات کا اضافہ کر دیا، اس طرح کل سولہ رکعات کا اضافہ ہو گیا، پھر تین رکعات وتر پڑھی تو کل مجموعی تعداد انتالیس رکعات ہو گئی۔ واللہ اعلم [1]

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رکعات تراویح کی زائد تعداد تین خلفائے راشدین کی سنت ہے جن کی سنتوں کے اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ وہ اسی کے مطابق نماز تراویح کو مسلسل ادا کرتے رہے۔ اسی لئے ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اس پر جو اجماع نقل کیا ہے وہ صحیح ہے۔

تراویح کا معاملہ نماز جمعہ کی اذان اول کی طرح ہے۔ اس کا آغاز عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا اور بعد کے تمام ادوار میں مسلمانوں نے اس کا التزام کیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ بہت سے معاصرین نے رکعات تراویح کی تعداد کے تعلق سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کی متعدد طریقے سے خلاف ورزی ہے جس کی وضاحت ذیل کی سطور میں کی جارہی ہے:

پہلی خلاف ورزی: عرب ممالک کے باہر کے بہت سے اسلامی مراکز رمضان کی تمام راتوں میں آٹھ رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھنے التزام کرتے ہیں اور اسے عشاء کی نماز کے فوراً بعد پڑھ لیتے ہیں۔ ان کا استدلال عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس ثابت شدہ روایت سے ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں ادا کیا۔ ان اسلامی مراکز کے نمازی یہ سمجھتے ہیں کہ ان رکعات کی پابندی کر کے انہوں نے سنت پر عمل کر لیا جبکہ حقیقت میں ان لوگوں نے سنت رسول کے بر خلاف کیا۔ نیز ان لوگوں نے اپنے اس عمل سے تینوں خلفائے راشدین کی سنت اور ان کی

---

(1) المجموع (364/3)

موافقت کرنے والے بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تاریخ کے ہر دور میں جمہور امت کے موقف کی بھی خلاف ورزی کی ہے۔ ان کے اس عمل کے مخالف سنت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے رمضان کی ان راتوں میں صحابہ کرام کے ساتھ تیرہ رکعات پڑھی تھی۔ امام طرطوشی مالکی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کتنی رکعات ادا کی گئیں اس کی کوئی تعداد ثابت نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو راتوں میں صحابہ کرام کے ساتھ اس نماز کو ادا کیا، بقیہ راتوں میں آپ گھر سے باہر نہیں نکلے۔ کسی نے یہ نقل نہیں کیا ہے کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی رکعات پڑھی تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ صحیح وثابت روایت وہ ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی شروع میں اسی کا حکم دیا تھا، پھر لوگوں میں طویل قیام کرنے کی سکت نہیں رہی تو انہوں نے اسے بیس رکعات کر دیا۔[1]

یہ رائے ان کی ہے جو اس روایت کی صحت کے قائل ہیں جس میں آیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے شروع میں اس نماز کو گیارہ رکعات ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ جو لوگ اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے حکم دینے کے بعد پہلی ہی رات سے تیئیس (23) رکعات نماز تراویح ادا کی گئی۔ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے استدلال کرنے کا جواز کہاں باقی رہا کہ رمضان کی تمام راتوں میں صحابہ کرام نے گیارہ رکعات پڑھنے کا التزام کیا۔ علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس عدد کا التزام نہیں کیا ہے۔

گیارہ رکعات کے التزام کے لئے جو استدلال کیا جاتا ہے اس پر یہ اشکال بھی ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اس ثابت شدہ روایت کو ترک کر دیا ہے جس میں آیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو تیئیس (23) رکعات ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور صحابہ کا اس پر اجماع ہوا تھا نیز ان کے بعد کے خلفائے راشدین نے بھی اس کی موافقت کی تھی اور ہمارے زمانہ تک کے مسلمانوں کا اسی کے مطابق عمل چلا آرہا ہے۔

---

(1) کتاب الحوادث والبدع، ص(56)

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان بھائیوں کی تیرہ رکعات نماز کے لئے بطور دلیل نہ تو کوئی مرفوع روایت ہے اور نہ کوئی ثابت شدہ موقوف روایت ہے۔ واللہ اعلم

دوسری خلاف ورزی: یہ لوگ رمضان کے شروع کی بیس راتوں میں گیارہ رکعات پڑھنے کی پابندی کرتے ہیں۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ آخری عشرہ میں رات کے پہلے حصہ میں چار رکعات پڑھتے ہیں جس میں طویل قراءت کرتے ہیں، پھر رات کے آخری حصہ میں سات رکعات پڑھتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ یہ رمضان کی تمام راتوں میں گیارہ رکعات کی پابندی کر رہے ہیں اور نماز تراویح و نماز تہجد کی پابندی کی چاہت میں وہ ایسا کر رہے ہیں۔ سلف امت اور خیار امت کا اس طریقہ سے رمضان کی راتوں میں نماز پڑھنے کا معمول نہیں رہا ہے۔ نیز اس طریقۂ نماز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ کی گیارہ رکعات نماز مسجد کے اندر باجماعت تراویح کی نماز نہیں تھی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ماہ رمضان میں گیارہ رکعات ادا کرنے کا التزام نہیں کیا۔ یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ نماز تراویح کے کچھ الگ احکام ہیں جو غیر رمضان میں مطلق قیام اللیل کے احکام کے برخلاف ہیں۔ اس بناء پر اس طریقہ سے گیارہ رکعات نماز تراویح پڑھنے کی کوئی دلیل نہ تو سنت میں موجود ہے اور نہ سلف امت کے عمل سے یہ ثابت ہے۔ واللہ اعلم

تیسری خلاف ورزی: رمضان کی شروع کی بیس راتوں میں گیارہ رکعات ادا کرنے کا التزام، پھر آخری عشرہ کی راتوں کے پہلے حصہ میں آٹھ رکعات پر اکتفاء کرنا اور آخری حصہ میں نو رکعات کے ذریعہ قیام اللیل کرنا جو مجموعی طور پر سترہ رکعات ہوتی ہیں۔ اس طریقہ سے نماز پڑھنے کی بھی کوئی دلیل نہ تو سنت میں موجود ہے اور نہ سلف امت کے عمل سے اس طرح پڑھنا ثابت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انسان جب گھر کے اندر نماز پڑھے تو وہ جتنی رکعات چاہے پڑھ سکتا ہے، اس لئے کہ گھر میں جماعت کے بغیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تعداد رکعات کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتی تھی، لیکن تراویح کی نماز کے مخصوص احکام ہیں۔ اسی بات نے سلف کو رکعات تراویح کی تحدید کرنے پر آمادہ کیا اور اس کے لئے انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت تعداد رکعات کو دلیل بنایا اور اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی تھی۔ اسی لئے یہ درست نہیں ہے کہ ہم نماز تراویح کے احکام اور سال کے باقی دنوں میں گھر کے اندر پڑھی جانے والی تہجد کی نماز کے احکام کو یکساں اور برابر کر دیں، لہذا تراویح کے تعلق سے مسلمانوں کا جو طریقہ رہا ہے اسے اختیار کرنا اولیٰ ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

ہمارے ملک میں لوگ پورے ماہ رمضان میں تیئیس رکعات ہی پڑھتے تھے یہاں تک کہ وہ لوگ پورے ماہ میں دو مرتبہ ختم قرآن کرتے تھے۔ اس عمل کو میں نے اپنے بچپن میں خود دیکھا ہے جب میں بریدہ کے علاقہ کے ایک گاؤں میں سکونت پذیر تھا (اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے)۔ میرے علم کے مطابق اس تیسرے طریقہ کے مطابق سب سے پہلے شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے نماز پڑھی۔ اس کا تذکرہ اوپر کی سطور میں بھی آچکا ہے۔ پھر لوگوں نے اس طریقہ اور تعداد رکعات کو اختیار کر لیا۔ شیخ عبد المحسن عبیکان رحمہ اللہ آخری شخص ہیں جنہیں میں نے ریاض میں پابندی کے ساتھ تیئیس (23) رکعات نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

لوگوں کے درمیان گیارہ رکعات پر اکتفاء کرنے کا معاملہ اور زیادہ عام تب ہوا جب البانی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "صلاۃ التراویح" میں گیارہ سے زائد پڑھنے کی حرمت کی بات کہی۔ یہاں تک کہ کم علم لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنا حنبلیوں کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے تیئیس رکعات نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے دس رکعات ادا کرنے کے بعد امام کی اقتداء کو چھوڑ کر واپس لوٹنے کو معمول بنالیا۔ نماز کے دوران امام کی اقتداء چھوڑ کر واپس لوٹنا، یہ نئی چیز ہے۔ ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مفہوم پر یہ سختی کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔ اس روایت میں یہ آیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی نماز گیارہ رکعات سے زیادہ کبھی نہیں ادا کیا اور البانی صاحب کی رائے کے مطابق یہ عدد عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے۔ ان لوگوں نے اپنے اس عمل کے ذریعہ دلیل کو مضبوطی سے پکڑنے کا قصد کیا جبکہ انہوں نے اپنے اس عمل سے دلیل کی مخالفت کی بلکہ گزرے ہوئے تمام ادوار سے لے کر ہمارے زمانہ تک امت کا جس پر عمل رہا ہے اس کی مخالفت کی ہے۔ اس کی مزید وضاحت آگے آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ

میں اس موقع پر اپنے ان بھائیوں کو جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کا شوق اور اس کی محبت ڈال دی ہے، دعوت دیتا ہوں کہ وہ عبادت کے لئے رمضان مبارک کی راتوں سے فائدہ اٹھائیں، اس ماہ مبارک میں طویل وقت تراویح سے مستفید ہوں اور سلف جس عمل کی پابندی کرتے تھے اس کا التزام کریں۔ نماز کے دوران کچھ لوگوں کا امام کی اقتداء چھوڑ کر واپس جانا ان کے لئے اجر و ثواب کے حصول کی راہ میں مانع نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ عبادت مستحبات میں سے ہے۔ کچھ لوگوں کے دوران نماز لوٹ جانے کی وجہ سے ان کو زیادہ عبادت کرنے سے محروم کرنا صحیح نہیں ہے جن کے اندر شوق ورغبت پائی جاتی ہے۔ حرمین کی نماز تراویح میں مومنین کے ذریعہ امام حرمین کی اقتداء کا جو منظر ہمیں دکھائی دیتا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ عوام الناس کی بھاری اکثریت اخیر تک امام کے ساتھ نماز تراویح میں شریک رہنے کی چاہت رکھتی ہے۔ واللہ اعلم

دوسرا مبحث

شیخ البانی رحمہ اللہ کے رسالہ "صلاۃ التراویح" کا تنقیدی جائزہ

شیخ علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے "صلاۃ التراویح" کے نام سے اپنا رسالہ تصنیف کیا ہے جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ نماز تراویح کے رکعات کی تعداد محدود و متعین ہے، اس میں اضافہ کرنا جائز نہیں ہے۔ انہوں نے متوسط سائز کے ایک سو آٹھ صفحات میں اس کے دلائل ذکر کئے ہیں۔ کتاب کا جو نسخہ مجھے ملا ہے وہ دوسری طباعت ہے جو 1405ھ میں المکتب الِاسلامی کے زیر اہتمام طبع ہوا ہے۔ اس کتاب میں ان کے طرز استدلال پر کئی اشکال وارد ہوتے ہیں۔ نیز انہوں نے گیارہ رکعات میں اضافہ کے جواز پر ہونے والے اجماع کی مخالفت کی ہے جیسا کہ اس اضافہ کے جواز کو کئی اہل علم نے منصوصاً ذکر کیا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر میں نے شیخ البانی کے رسالہ کا ذیل کے موضوعات کے تحت تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

پہلا موضوع: ان کا یہ ماننا کہ لوگوں کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز گیارہ رکعات تھی

شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے صفحہ (16) پر یہ عنوان قائم کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں ادا کیا۔ اس عنوان کے تحت انہوں نے لکھا ہے کہ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ جو نماز تراویح پڑھی تھی اس میں رکعات کی تعداد کتنی تھی؟ تو اس تعلق سے آپ یہ جان لیجئے کہ ہمارے پاس اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے دو روایتیں ہیں:

پہلی روایت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن کی ہے کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رمضان میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیا کیفیت تھی؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے چار رکعات ادا کرتے۔ تم ان کی عمدگی اور طول کے بارے میں مت پوچھو۔ پھر آپ چار رکعات ادا کرتے تھے۔ تم ان کی عمدگی اور طول کے بارے میں مت پوچھو۔ پھر آپ تین رکعات ادا کرتے تھے۔ اس روایت کو بخاری، مسلم، ابو عوانہ، ابو داود اور ترمذی نے نقل کیا ہے۔

دوسری روایت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ماہ رمضان میں آٹھ رکعات نماز پڑھائی اور آپ نے وتر بھی پڑھائی۔ اگلی رات ہم لوگ مسجد کے اندر جمع ہوئے اور امید کی کہ

آپ نماز کے لئے باہر نکلیں گے، لیکن ہم صبح تک انتظار ہی کرتے رہے........... الحدیث۔ اس روایت کو ابن نصر اور طبرانی نے المعجم الصغیر میں نقل کیا ہے۔ اس کی سند ما قبل کی روایت کی وجہ سے حسن ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری اور التلخیص میں اس روایت کے قوی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسے ابن خزیمہ اور ابن حبان کی صحیح کی طرف منسوب کیا ہے۔ شیخ البانی کی بات ختم ہوئی۔

جواب: شیخ کا گیارہ رکعات میں اضافہ کی نفی کرنا یہ بتاتا ہے کہ ان کی رائے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں گیارہ رکعات ادا کی تھی جب آپ نے صحابہ کی امامت کی تھی۔ اس کے ثبوت کے لئے انہوں نے جو روایتیں پیش کی ہیں وہ اس پر دلالت نہیں کرتی ہیں جو شیخ کے کلام سے مترشح ہوتا ہے۔ اس لئے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تا عمر جو رات کی نماز پڑھی اس میں رکعات کی سب سے زیادہ تعداد کیا تھی۔ اس روایت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باجماعت تراویح کی نماز میں رکعات کی تعداد کا بیان نہیں ہے، لہذا اس کے لئے عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال محل نظر ہے۔

جہاں تک جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی بات ہے تو شیخ نے جس بات کے لئے اسے دلیل بنایا ہے اس پر یہ روایت بصراحت دلالت نہیں کرتی ہے۔ اس لئے کہ یقینی طور پر اس روایت میں گیارہ رکعات ادا کرنے کا نہ کوئی ذکر ہے اور نہ اس کی طرف کوئی اشارہ ہے، لہذا اس روایت سے استدلال کرنا بھی محل نظر ہے بلکہ یہ روایت اس معاملہ میں نص ہے کہ نماز تراویح نو رکعات ہے نہ کہ گیارہ رکعات، اس لئے کہ آٹھ رکعات کا ذکر روایت میں موجود ہے۔ اس کے بعد لغت میں اصلاً وتر کا اطلاق ایک رکعت پر ہوتا ہے۔ اس ظاہری مفہوم کو نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ جب آٹھ رکعات میں ایک رکعت نماز وتر جوڑی جائے گی تو نو رکعات ہو جائے گی۔ جس کا یہ دعویٰ ہو کہ یہ روایت اس عدد کے علاوہ پر دلالت کر رہی ہے اسے دلیل پیش کرنا ہوگا۔ واللہ اعلم

دوسرا موضوع: یہ دعویٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات پڑھنے کا التزام کیا

شیخ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ کے صفحہ (22) پر یہ عنوان قائم کیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ رکعات پڑھنے پر اکتفاء کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں اضافہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ گزشتہ سطور سے یہ

بات واضح ہو گئی کہ قیام اللیل میں رکعات کی تعداد گیارہ ہے۔ یہ بات صحیح نص سے ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر گیارہ رکعات ہی ادا کرتے رہے، چاہے وہ رمضان ہو یا غیر رمضان۔

پھر انہوں نے صفحہ (75) پر یہ عنوان قائم کیا ہے: اس کا بیان کہ گیارہ رکعات کا التزام کرنا واجب ہے اور اس کی دلیل۔ اس عنوان کے تحت انہوں نے لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انہوں نے رات کی نماز گیارہ رکعات ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی گیارہ رکعات ہی ادا کی ہے۔ یہ ساری چیزیں ہمیں یہ کہنے کا حق دیتی ہیں کہ گیارہ رکعات کا التزام کرنا واجب ہے اور اس میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لہذا ہمارے لئے اصل مخرج (ماخذ) کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور وہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنا اور اس معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت گیارہ رکعات ہی ہے لہذا اس کو اختیار کرنا اور جو اس کے برخلاف ہے اسے ترک کر دینا واجب ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب خلفائے راشدین کی سنت بھی اس کے موافق ہے۔ (رسالۃ: صلاۃ التراویح صفحہ 76)

جواب: حتمی طور پر یہ کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی گیارہ رکعات پڑھنے پر اکتفاء کیا اور اس عدد میں سرے سے کمی بیشی نہیں کی اور اس عدد ہی کو اختیار کرنا واجب ہے، اس کے علاوہ کسی اور عدد کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ موقف اس کے برخلاف ہے جو سنت کے ذخیرہ میں موجود صحاح ومسانید کی روایتوں سے ثابت ہے۔ ان روایتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل میں رکعات کی تعداد سے متعلق مختلف روایتیں آئی ہیں۔ یہ روایتیں اس دعوی کی نفی کے لئے کافی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات ہی پڑھنے کا التزام کیا اور اس کے علاوہ کوئی اور عدد آپ کے قیام اللیل کے تعلق سے ثابت نہیں ہے۔ اس دعوی پر اختلاف کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: گیارہ رکعات سے کم پڑھنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ثابت ہے کہ آپ گیارہ رکعات سے کم بھی پڑھتے تھے۔ آپ نے سات رکعات اور نو رکعات بھی پڑھی ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری دور میں گیارہ رکعات کے بجائے نو رکعات پابندی کے ساتھ پڑھی ہے۔ اس کی دلیل امام مسلم کی صحیح میں نقل کردہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طویل حدیث ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت میں سعد بن ہشام بن عامر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ اس

روایت کے آخر میں یہ ہے: "ہم آپ کے لئے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو رات کے جس حصہ میں چاہتا بیدار ہونے کی توفیق دیتا۔ چنانچہ آپ اٹھ کر مسواک کرتے، وضو کرتے، اور نو رکعات نماز اس طرح ادا کرتے کہ آٹھویں رکعت میں بیٹھتے، اللہ کا ذکر کرتے، اس کی حمد کرتے، اس سے دعا مانگتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت ادا کرتے۔ پھر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے، اس کی حمد کرتے، اس سے دعا مانگتے، پھر ہمیں سنا کر سلام پھیرتے۔ اس کے بعد بیٹھ کر مزید دو رکعات ادا کرتے۔ اے بیٹے! یہ کل گیارہ رکعات ہو گئیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر زیادہ ہو گئی اور آپ کا جسم بھاری ہو گیا تو وتر سمیت سات رکعات ادا کرتے اور اس کے بعد دو رکعات اپنے پہلے کے معمول کے مطابق پڑھتے۔ اے بیٹے! یہ کل نو رکعات ہو گئیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ آپ جب کوئی نماز پڑھتے تو آپ کی خواہش ہوتی کہ اسے ہمیشہ ادا کریں۔"[1]

اس روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم مداومت کے ساتھ کسی نماز کو ادا کرنا پسند کرتے تھے" نو رکعات سے متعلق ہے، نہ کہ کسی اور عدد سے متعلق ہے۔

چنانچہ شیخ البانی کا یہ دعویٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات ہی کو تسلسل کے ساتھ ادا کیا ہے اور کوئی دوسرا عدد آپ کے تعلق سے ثابت نہیں ہے، صریح طور پر اس صحیح حدیث کے برخلاف ہے۔

دوسری صورت: گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنا

صحیحین میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہا کی روایت آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوئے تو آپ نے تیرہ رکعات نماز ادا کی۔ آپ نے اس نماز کو دو دو رکعات ادا کی۔ یہ حدیث بھی گیارہ رکعات پر اکتفاء کرنے کے دعویٰ کی تردید کرتی ہے۔

نیز یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر مقدم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھا، کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ثابت کرنے والے کا قول نفی کرنے والے کے قول پر مقدم

---

(1) صحیح مسلم (27/6)

ہو گا۔[1] اس لئے کہ ثابت کرنے والے کے پاس زیادہ علم ہوتا ہے تو وہ اپنے علم کی بنیاد پر روایت کرتا ہے اور نفی کرنے والا اس کی نفی کر رہا ہوتا ہے جو اس کے علم میں نہیں آیا۔ دونوں اپنے قول میں سچے ہوتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی نفی کی ہے جو انہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس چیز کو بیان کر رہے ہیں جو انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں محفوظ کیا، لہذا ان کے قول کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اس لئے کہ ان کی روایت کو قبول نہ کرنے کی صورت میں سنت کو رد کرنا لازم آتا ہے، کیونکہ علمائے حدیث واصول کے نزدیک قاعدہ مقرر ہے کہ ثقہ کی زیادتی (اضافہ) قابل قبول ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس رات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو خود دیکھا جسے عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہیں دیکھا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس رات ان کے گھر میں مقیم نہیں تھے۔

سیدہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایتوں کے درمیان یہ اختلاف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے تنوع پر محمول ہے، یعنی آپ نے مختلف مواقع پر مختلف عدد رکعات کے ساتھ یہ نماز ادا کی ہے۔ ایک سے زائد احادیث میں اس تنوع کا ثبوت ملتا ہے، لہذا اخیر کی دو رکعات کو یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل میں شمار نہ کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ دونوں رکعات ہلکی ہوتی تھیں۔ اس لئے کہ ہلکی ہونا نماز کے طویل ہونے کے بالمقابل ایک صفت ہے، اس کا عدد رکعات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نیز رکعات کو طویل کرنا قیام اللیل کے صحیح ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اخیر کی دو رکعات کو ہلکی کرنے کا دعوی حجت نہیں ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "صلاۃ التراویح" کے صفحہ (83) پر عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک دوسری حدیث کو نقل کیا جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے موافق ہے۔ اس روایت میں یہ آیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی قیس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وتر کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی چار رکعات پڑھ کر تین رکعات وتر پڑھتے تھے، کبھی چھ رکعات پڑھنے کے بعد تین رکعات

---

(1) شیخ البانی اس قاعدہ کے مخالف نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اسے استعمال کیا ہے جیسا کہ ان کی کتاب أحکام الجنائز وبدعھا، ص (82) کے حاشیہ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی موقف امام بخاری کا بھی ہے۔ دیکھئے: فتح الباری (3/347) نیز ملاحظہ ہو عمدۃ القاری (7/8)

وتر پڑھتے تھے اور کبھی دس رکعات پڑھنے کے بعد تین رکعات وتر ادا کرتے تھے۔ وتر سمیت آپ کی نماز سات رکعات سے کم نہیں ہوتی تھی اور نہ وتر سمیت تیرہ رکعات سے زیادہ ہوتی تھی۔ اس روایت کو ابو داود، احمد اور طحاوی نے نقل کیا ہے۔ عراقی نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں: ان سب نے اسے جید سند سے نقل کیا ہے۔ اگر شیخ البانی رحمہ اللہ اس روایت پر غور کر لیتے جسے انہوں نے اپنے رسالہ میں پیش کیا ہے تو ان کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کو گیارہ رکعات تک محدود کر دینے کا ان کا موقف کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

ہمارے شیخ علامہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ نے اس طرح کے کمزور موقف کا جواب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: وہ دینی امور جن کا حکم کچھ لوگوں پر مخفی رہ گیا، ان میں سے ایک کچھ لوگوں کا یہ سمجھنا ہے کہ تراویح کی نماز کو بیس رکعات سے کم پڑھنا جائز نہیں ہے، کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ گیارہ یا تیرہ رکعات سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ یہ سارے گمان و خیال بے موقع و محل ہیں بلکہ اس طرح کا خیال دلائل کے بر خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے وارد صحیح روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کی نماز میں کمی و زیادتی کی گنجائش ہے، اس کی کوئی متعین حد نہیں ہے کہ اس کے بر خلاف کرنا ناجائز ہو گا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے یہ ثابت ہے کہ آپ رات میں گیارہ رکعات بھی پڑھتے تھے، کبھی تیرہ رکعات پڑھتے تھے اور کبھی رمضان و غیر رمضان دونوں میں اس سے کم بھی پڑھتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "رات کی نماز دو دو رکعات ہے۔ جب کسی کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ ایک رکعت پڑھ لے۔ یہ اس کی پڑھی ہوئی نماز کو وتر کر دے گی۔" متفق علیہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز کی رکعات متعین نہیں کی ہے۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کبھی تیئیس (23) رکعات ادا کی اور کبھی گیارہ رکعات ادا کی۔ عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے عہد کے صحابہ کرام سے یہ سب ثابت ہے۔

سلف میں سے کچھ لوگ رمضان میں چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور کچھ لوگ اکتالیس رکعات پڑھتے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ اہل علم نے سلف کے تعلق سے یہ بات نقل کی ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اس سلسلہ میں وسعت اور گنجائش ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ قراءت و رکوع و سجود کو طویل

کرنے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ رکعات کو کم کرے اور قراءت ور کوع و سجود کو ہلکی کرنے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ عدد رکعات میں اضافہ کرے۔ شیخ رحمہ اللہ کے کلام کا یہی مفہوم ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر غور کرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ رمضان و غیر رمضان دونوں میں ان سب میں افضل گیارہ رکعات یا تیرہ رکعات ہیں۔[1] اس لئے کہ اکثر و بیشتر حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی پر عمل رہا ہے۔ نیز اس میں نمازیوں کے لئے نرمی و آسانی ہے اور خشوع و اطمینان کے ساتھ نماز پڑھنے میں یہ معاون ہے۔ ان رکعات سے زیادہ پڑھنے والے کے لئے بھی کوئی حرج و کراہت نہیں ہے جیسا کہ پیچھے گزرا۔[2]

تیسرا موضوع: تئیس رکعات والی نماز سے متعلق روایت کی تضعیف کا تنقیدی جائزہ

البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے جس میں آیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے تئیس (23) رکعات نماز ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے جس میں آیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعات نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ گیارہ رکعات والی روایت ضعیف ہے نہ کہ پہلی روایت جس میں تئیس رکعات پڑھنے کی بات ہے۔ اس روایت کے ضعف کی وجہ اس کے راوی محمد بن یوسف کی تضاد بیانی ہے جو سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں۔ اس کے ضعف کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ ابن خصیفہ نے سائب بن یزید سے روایت کرتے ہوئے محمد بن یوسف کی مخالفت کی ہے۔ اس سے یہ شہادت حاصل ہوتی ہے کہ تئیس رکعات والی روایت صحیح اور گیارہ رکعات والی روایت ضعیف ہے۔ اس اشکال کو دور کرنے کے لئے میں ان دونوں روایتوں میں اختلاف کی صورتوں کو واضح کروں گا، ان میں سے صحیح روایت کی تعیین کروں گا اور اسے ضعیف روایت سے الگ کر کے پیش کروں گا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں: عمر رضی اللہ عنہ نے کتنی رکعات

---

(1) دیکھئے یہ مبحث: قیام اللیل کے لئے رکعات کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ کتاب و سنت کے دلائل سے یہ واضح ہے کہ گیارہ رکعات یا تیرہ رکعات کو صرف عدد کی بنیاد پر دیگر زائد رکعات پر فضیلت حاصل نہیں ہے بلکہ طویل نماز اور طویل وقت تہجد کی فضیلت ہے۔ اگر کم رکعات اور زیادہ رکعات کا وقت مساوی ہو تو کم عدد رکعات والی نماز کو فضیلت حاصل ہو گی اور اگر دونوں کے وقت کے طول میں اختلاف ہو تو طویل وقت پر محیط نماز کو فضیلت حاصل ہو گی جبکہ نماز بسہولت ادا کی گئی ہو۔ واللہ اعلم

(2) ملاحظہ ہو: رسالتان موجزتان فی الزکاۃ والصیام، ص (30، 31، 32)

پڑھانے کا حکم دیا تھا، اس تعلق سے مختلف روایتیں منقول ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا، ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا، ایک روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے اکیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ نیز یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے تیئس رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ اکثر روایتوں میں یہی عدد منقول ہے۔ رہی چھتیس رکعات تو اس سلسلہ میں ان کا کوئی حکم منقول نہیں ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ مدینہ کے رہنے والے تابعین نے اسے ایجاد کیا تھا۔

اِس اختلاف کے باوجود تیئس رکعات پڑھنے کی مشروعیت پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے یہ اجماع نقل کیا ہے۔[1] اِسی طرح ہر دور میں اہل فتاوی نے اِس کے مشروع ہونے کی بات کہی ہے۔ ان میں سے کسی نے گیارہ رکعات میں اضافہ کو حرام نہیں کہا ہے۔ صرف البانی رحمہ اللہ نے گیارہ رکعات میں اضافہ کے ناجائز ہونے کی بات کہی ہے۔ انہوں نے گیارہ رکعات والی روایت کو صحیح کہا ہے اور دیگر روایتوں پر اسے ترجیح دی ہے۔ ان کے نزدیک باقی روایتیں ضعیف ہیں لہذا انہوں نے اِس روایت کو ان روایتوں پر مقدم کیا ہے۔ موجودہ دور میں ان کے نوجوان مقلدین نے ان کے اِس قول کو اختیار کیا ہے، لہذا میں نے اِس گیارہ رکعات والی روایت کی تخریج اور اس پر حکم لگانے کو ضروری سمجھا:

گیارہ رکعات والی رویت کو امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی موطا میں نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے محمد بن یوسف اور انہوں نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری (رضی اللہ عنہما) کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات نماز پڑھائیں۔ راوی کہتے ہیں کہ قاری سو سے زیادہ آیتوں والی سورہ کی تلاوت کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم لوگ طویل قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔ ہم لوگ فجر کے قریب ہی اِس نماز سے فارغ ہو کر لوٹتے تھے۔[2]

محمد بن یوسف کی روایت میں کئی طرح کی تعداد رکعات کا ذکر ہے۔ امام عبد الرزاق رحمہ اللہ نے داود بن قیس وغیرہ سے نقل کیا ہے، وہ محمد بن یوسف سے اور وہ سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو رمضان

---

(1) المغنی (2/604)

(2) الموطأ (ابو مصعب زہری کی روایت) رقم (280)

میں ابی بن کعب اور تمیم داری کی امامت میں اکیس (21) رکعات پڑھنے کے لئے جمع کیا۔ یہ لوگ دو سو آیتوں والی سورہ تلاوت کرتے تھے اور لوگ فجر کے قریب اِس نماز سے فارغ ہو کر لوٹتے تھے۔[1]

یہ روایت امام مالک کی نقل کردہ روایت کے بر خلاف ہے۔ امام ابن العربی کہتے ہیں: مالک نے روایت کی ہے کہ ابی بن کعب گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ دوسرے راویوں نے اِس کے بر خلاف نقل کیا ہے۔ ان کے مطابق ابی بن کعب اکیس (21) رکعات پڑھاتے تھے۔[2]

محمد بن یوسف عن السائب بن یزید کی سند سے منقول روایت کے بر خلاف بیہقی نے عن یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ لوگ ماہ رمضان میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔ راوی کے بقول: وہ لوگ سو سے زائد آیتوں والی سورہ کی تلاوت کرتے تھے۔ وہ لوگ حالت قیام کی سختی کی وجہ سے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔ ایک مرسل رویت بھی گیارہ رکعات والی روایت کے بر خلاف آئی ہے چنانچہ بیہقی ہی نے عن مالک عن یزید بن رومان کی سند سے نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان میں تیئیس (23) رکعات ادا کرتے تھے۔

امام بیہقی نے دونوں روایتوں کے اِس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اِن دونوں روایتوں کے درمیان جمع و تطبیق کی صورت ممکن ہے اور وہ اِس طرح کہ وہ لوگ پہلے گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ پھر وہ لوگ بیس رکعات پڑھنے لگے جس کے بعد وہ تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ واللہ اعلم[3]

میں کہتا ہوں اِس جمع و تطبیق پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں روایتوں کا مخرج (نکلنے کی جگہ) ایک ہے اور وہ یہ کہ اِن دونوں روایتوں کا مدار عن یوسف عن السائب بن یزید کی سند پر ہے۔ اس طرح کی صورتحال میں اُس روایت کو ترجیح دی جاتی ہے جو مختلف فیہ نہیں ہے تاہم شیخ البانی نے اِس حکم کے بر خلاف کیا ہے۔ انہوں نے مختلف فیہ روایت کو غیر مختلف فیہ روایت پر

---

(1) مصنف عبد الرزاق رقم (7730)

(2) عارضۃ الأحوذی (19/4)

(3) سنن بیہقی (496/2)

مقدم کر دیا ہے اور وہ اِس طرح کہ انہوں نے عبد الرزاق کی نقل کر دہ روایت کو ضعیف قرار دے کر مالک کی نقل کر دہ روایت کو یہ کہہ کر مقدم کر دیا ہے کہ مالک، عبد الرزاق سے زیادہ ثقہ ہیں۔ ایسا کرنا محدثین کے منہج کے بر خلاف ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک تعدد طرق کی وجہ سے کسی روایت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے جبکہ تمام رواۃ ثقہ ہوں۔ چنانچہ تیئس (23) رکعات والی روایت کو راویوں کی ایک جماعت نے محمد بن یوسف سے نقل کیا ہے جیسا کہ عبد الرزاق کی نقل کر دہ اسناد کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے۔ عبد الرزاق کے بقول: اِسے داود بن حصین وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اِسی طرح اِس روایت کی شاہد ابن خصیفہ عن السائب بن یزید والی روایت بھی ہے۔ نیز یزید بن رومان کی مرسل روایت بھی اسی کی شاہد ہے۔ مرسل روایت متصل روایت کو مضبوطی دیتی ہے اور متصل کو اس سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ابن العربی نے اِسی کو مالک کی روایت کے بارے میں یہ کہہ کر ترجیح دی ہے کہ "لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے"۔

رہی بات البانی رحمہ اللہ کے ذریعہ عبد الرزاق کو عمداً ضعیف قرار دینے کی صرف اِس وجہ سے کہ انہوں نے مالک کی نقل کر دہ روایت کے بر خلاف نقل کیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ مالک کی مخالفت اصلاً داود بن حصین وغیرہ راویوں نے کی ہے۔ نیز داود بن حصین کی روایت کی شاہد ابن خصیفہ عن السائب بن یزید کی روایت ہے۔ اس کی وجہ سے عبد الرزاق کی روایت کو مالک کی روایت پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ تیئس (23) رکعات والی نماز کی روایت کرنے میں وہ منفرد نہیں ہیں تاہم مالک گیارہ رکعات کی روایت کرنے میں منفرد ہیں جیسا کہ ابن العربی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ اِن باتوں کے ساتھ ساتھ یہ احتمال بھی ہے کہ اشکال راوی محمد بن یوسف کی وجہ سے پیدا ہوا ہو۔

رہا تیئس (23) رکعات کے رواۃ کا اختلاف تو ان کی روایتوں کے درمیان اِس طرح جمع و تطبیق ممکن ہے کہ بیس رکعات سے متعلق روایت کو اِس پر محمول کیا جائے گا کہ اِس میں وتر کا تذکرہ شامل نہیں ہے۔ رہی اکیس رکعات اور تیئس رکعات والی روایتیں تو اِن کو اِس پر محمول کیا جائے گا کہ اِن میں عدد وتر کی نوعیت الگ الگ تھی۔ اِس طرح یہ ساری روایتیں ایک ہو جاتی ہیں اور ایک دوسرے کی شاہد بن جاتی ہیں اور اِس سے اضطراب بھی دور ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں نماز تراویح سے متعلق روایت صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہے مثلاً علی بن ابی طالب اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بلکہ تابعین کی ایک جماعت نے اِسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔ محمد بن نصر مروزی نے اِن

روایتوں کو جمع کیا ہے۔[1] بیہقی نے علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ قوی روایت ہے۔ ابن قدامہ نے اِس پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔ نیز یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ گیارہ رکعات نماز والی روایت کے راوی ہیں لیکن وہ اِس کے قائل ہیں کہ تراویح کی نماز چھتیس رکعات ہے۔ اس سے البانی رحمہ اللہ کا موقف کمزور ہو جاتا ہے جو انہوں نے گیارہ رکعات کو دیگر عدد رکعات پر ترجیح دی ہے۔ اس لئے کہ اِس روایت کے راوی نے اپنے آخری دور میں اِس پر عمل نہیں کیا ہے۔

اِس تخریج سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اختلاف راوی محمد بن یوسف کو لے کر ہے۔ ان کی روایت کی مخالفت ثقہ راوی ابن خصیفہ نے کی ہے جو سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں۔ اس صورت میں مختلف فیہ روایت پر غیر مختلف فیہ روایت کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ اِسی طرح جمہور امت کا عمل بھی گیارہ رکعات والی روایت کے بر خلاف ہے، اِس سے اِس روایت کے ضعیف ہونے کی توثیق ہوتی ہے نیز اِس سے تیئس رکعات والی روایت کے صحیح ہونے کی توثیق ہوتی ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے منصوصاً ذکر کیا ہے۔[2] واللہ اعلم

چوتھا موضوع: البانی کا اجماع کی مخالفت کرنا

شیخ البانی رحمہ اللہ نے یہ عنوان قائم کیا ہے: ان علماء کا تذکرہ جنہوں نے گیارہ رکعات میں اضافہ پر نکیر کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے قیام اللیل میں گیارہ رکعات میں اضافہ کی حرمت ذکر کی ہے، چاہے یہ اضافہ نماز تراویح میں ہو یا قیام اللیل (تہجد) میں ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنا نہ تو خلفائے راشدین میں سے کسی سے ثابت ہے اور نہ فقہائے صحابہ میں سے کسی سے ثابت ہے۔ اگر یہ اضافہ ثابت ہوتا تو وہ اسے صرف جائز کہہ سکتے تھے لیکن جب یہ صحابہ سے ثابت ہی نہیں ہے تو پھر اضافہ کی بات کہنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح کی بات شیخ البانی رحمہ اللہ نے کہی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے کہا: اس معاملہ میں ہمارے سلف بلند پایہ ائمہ ہیں۔ ان میں سر فہرست امام مالک ہیں، ان سے منقول ایک قول یہی ہے جو میں نے بیان کیا۔ امام مالک کے بقول: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جس پر لوگوں کو جمع کیا وہ مجھے

(1) دیکھئیے: مختصر قیام اللیل (95)

(2) المجموع (3/364)

زیادہ پسند ہے اور وہ گیارہ رکعات نماز ہے۔ یہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی نماز ہے۔ ان سے دریافت کیا گیا: کیا وتر کے ساتھ گیارہ رکعات؟ انہوں نے کہا: ہاں، تیرہ رکعات بھی صحت کے قریب ہے۔ مجھے نہیں معلوم ان زیادہ رکوع کو کس نے ایجاد کیا۔ امام مالک کی بات ختم ہوئی۔

امام ابن العربی نے "شرح الترمذی" میں عمر رضی اللہ عنہ کے تعلق سے منقول متضاد روایات اور رکعات تراویح کے محدود نہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: "صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعات پڑھے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور آپ کا قیام اللیل ہے۔ اس کے علاوہ عدد رکعات کی کوئی اصل نہیں ہے اور اس معاملہ میں کوئی حد بھی متعین نہیں ہے۔ اگر رکعات کی تحدید ناگزیر ہو تو اتنی پڑھے جتنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ نبی علیہ السلام نے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھا۔ چونکہ یہ نماز قیام اللیل ہے تو اس میں واجب یہی ہے کہ نبی علیہ السلام کی اقتداء کی جائے۔"

اسی لئے امام محمد بن اسماعیل صنعانی نے "سبل السلام" میں یہ صراحت کی ہے کہ بیس رکعات تراویح بدعت ہے۔ وہ کہتے ہیں: "بدعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی ہے کہ اس کی تعریف کی جائے بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔"[1]

جواب: اس طرح سے شیخ البانی نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان سے پہلے ان علماء نے گیارہ رکعات میں اضافہ کے جائز نہ ہونے کی بات کہی ہے جبکہ ان علماء کے کلام میں گہرے غور و فکر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ البانی نے جو ثابت کیا ہے اس میں اشکال ہے۔ اس لئے کہ امام مالک کے قول سے یہ صراحت ہوتی ہے کہ انہوں نے گیارہ رکعات کو دوسرے عدد سے افضل کہا ہے لیکن انہوں نے گیارہ رکعات میں اضافہ کی حرمت کی بات نہیں کہی ہے، لہذا شیخ البانی نے ان کی طرف گیارہ رکعات میں اضافہ کے عدم جواز کی جو بات منسوب کی ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ شیخ البانی نے ان سے وہ بات کہلوائی ہے جو انہوں نے نہیں کہی ہے۔ طرطوشی کہتے ہیں: مالک رحمہ اللہ نے نافع سے روایت کی ہے کہ میں نے لوگوں کو انتالیس (39) رکعات پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان میں سے تین رکعات وتر ہوتی تھی۔

---

(1) صلاۃ التراویح (78)

مالک کہتے ہیں: اسی پر لوگ قائم رہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی اسی پر عمل ہوا۔[1]

مالک رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ نافع تابعین میں سے ہیں اور مالک نے ان کی اس روایت اور دوسری روایتوں پر اعتماد کیا ہے۔ اسی لئے انہوں نے اہل مدینہ کے عمل کو ترجیح دی ہے۔

اس سے ہمارے لئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ درست نہیں ہے کہ مالک رحمہ اللہ کی طرف یہ منسوب کیا جائے کہ انہوں نے گیارہ رکعات میں اضافہ کو حرام کہا ہے۔ واللہ اعلم

جہاں تک امام ابن العربی رحمہ اللہ کی رائے کی بات ہے تو اس میں تاویل کی گنجائش موجود ہے تاہم البانی رحمہ اللہ نے ان کی رائے کو اسی پر محمول کیا ہے کہ وہ گیارہ رکعات میں اضافہ کو حرام کہتے ہیں۔ اس پر اشکال وارد ہوتا ہے۔ ابن العربی کی رائے کو واضح کرنے کے لئے ان کے کلام کو مکمل طور پر پیش کرنا ضروری ہے تاکہ قاری کو اس معاملہ میں ثبوت حاصل ہو جائے۔ ابن العربی رحمہ اللہ کہتے ہیں: قیام اللیل کی رکعات کے سلسلہ میں کوئی حد متعین نہیں ہے۔ رہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تو اس کی بھی کوئی متعین حد نہیں تھی۔ اس کے بعد جو صورت حال ہوئی اس کے بارے میں مالک نے روایت کی ہے کہ ابی ابن کعب گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ لوگوں نے اس روایت کی مخالفت کی ہے۔ ان لوگوں کے بقول وہ اکیس رکعات پڑھاتے تھے۔ مالک نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ لوگ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تئیس (23) رکعات پڑھتے تھے۔ ابن القاسم نے مالک سے سینتیس (37) رکعات کی بات نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہی قدیم عمل ہے۔

صحیح یہ ہے کہ نمازی گیارہ رکعات پڑھے جو نبی علیہ السلام کی نماز اور آپ کا قیام اللیل ہے۔ رہی اس کے علاوہ رکعات کی دیگر تعداد تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور اس معاملہ میں کوئی حد بھی متعین نہیں ہے۔ اگر رکعات کی حد متعین کرنا ناگزیر ہو جائے تو پھر اتنی رکعات پڑھے جتنی نبی علیہ السلام پڑھتے تھے۔ نبی علیہ السلام رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے۔ یہی نماز قیام اللیل ہے، لہذا اس میں نبی علیہ السلام کی اقتداء کرنا واجب ہے۔

جہاں تک رات کی نماز میں قرآن کی ایک خاص مقدار کی تلاوت کی بات ہے تو اس کی کوئی حد متعین نہیں ہے سوائے اس کے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ یمن میں امامت کرتے تھے تو آٹھ رکعات میں سورۃ البقرۃ

---

(1) الحوادث والبدع (56)

ختم کرتے تھے۔ یہ کل دو سو آیتیں ہیں۔ اسے وہ بارہ رکعات میں بھی پڑھتے تھے۔ یہ امام پر منحصر ہے جو اپنے مقتدی کی حالت کو جانتا ہے کہ وہ کتنی مقدار کو برداشت کرلیں گے یا جماعت کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ہلکی نماز میں اصل قراءت کی مقدار اور اس کی کیفیت ہے۔ میں نے مسجد اقصیٰ میں ایک امام کو دیکھا وہ نماز کو ہلکی کرنے کے لئے ہر رکعت میں قل ھو اللہ أحد کی تلاوت کر رہا تھا۔ اس لئے کہ اس نماز میں قرآن ختم کرنا سنت نہیں ہے۔ ہاں البتہ ختم قرآن افضل ہے، لیکن وہ امام اپنے مقتدیوں پر نماز کو ہلکی کرنے کے لئے ایسا کر رہا تھا اور وہ کہتا تھا کہ میں تین رکعات میں پورا قرآن پڑھ رہا ہوں، کیونکہ قل ھو اللہ أحد ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔[1]

میں کہتا ہوں: امام ابن العربی کے اس کلام پر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنے کی ممانعت صرف اس شخص کو کر رہے ہیں جو رکعات کی ایک متعین حد کا التزام کرے۔ جو اس کا التزام نہیں کر رہا ہے اس کے لئے گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنے کی اجازت ہے۔ شیخ ابن العربی کے کلام سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ شیخ ابن العربی کا وہ موقف نہیں ہے جو شیخ البانی کا موقف ہے۔ ان کا موقف اس کے برخلاف ہے جو شیخ البانی نے ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

پھر امام مالک کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد جس میں آیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا شیخ ابن العربی کا یہ کہنا کہ لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے اور اس کی وجہ لوگوں کے ذریعہ امام مالک رحمہ اللہ کی مخالفت ہے۔

اسی طرح امام صنعانی رحمہ اللہ کا بھی وہ موقف نہیں ہے جو شیخ البانی کا ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے میں آگے ان کے کلام کو پیش کروں گا تاکہ اس معاملہ میں قاری کے سامنے ثبوت موجود ہو۔ صنعانی رحمہ اللہ حدیث نمبر (347) کی تشریح کرتے ہوئے ہیں: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان میں صحابہ کے ساتھ قیام اللیل کیا۔ پھر صحابہ نے اگلی رات قیام اللیل کے لئے آپ کا انتظار کیا تو آپ باہر نہیں نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں رات کی نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے۔ امام بخاری نے اسے نقل کیا ہے۔ امام

---

(1) عارضة الأحوذي (19/4)

صنعانی کہتے ہیں: تم یہ بات جان لو کہ جس نے نماز تراویح کو ثابت کیا ہے اور جس نے رمضان کے قیام اللیل کو سنت کہا ہے اس نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، لیکن اس روایت میں ان کی نماز تراویح کی جو کیفیت اور کمیت (مقدار) ہے اس کی دلیل موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ جماعت کے ساتھ بیس رکعات ادا کرتے ہیں اور ہر دو رکعات کے درمیان وقفہ کرتے ہیں۔ رہی جماعت تراویح تو سب سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک متعین امام کی اقتداء کرنے کے لئے جمع کیا اور کہا کہ یہ ایک بدعت (نئی چیز) ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

اس کے بعد صنعانی کہتے ہیں: تم یہ بات جان لو کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک متعین امام کے پیچھے نماز تراویح کے لئے لوگوں کو جمع کرنے اور ان کے لئے اسے لازم کرنے کو بدعت کہا ہے۔ ان کا مقصد باجماعت نماز تراویح کو بدعت کہنا نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو باجماعت یہ نماز پڑھائی ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ جب آپ نے یہ جان لیا تو آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ عمر رضی اللہ عنہ ہی نے اس نماز کو ایک متعین امام کے پیچھے جماعت کی شکل دی اور اسے بدعت کا نام دیا۔ رہا ان کا یہ کہنا: "نعم البدعة" (یہ اچھی بدعت ہے) تو بدعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو قابل تعریف ہو بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ رہی نماز تراویح کی کمیت یعنی اسے بیس رکعات ادا کرنا تو اس کے لئے کوئی مرفوع روایت نہیں ہے سوائے اس کے جسے عبد بن حمید اور طبرانی نے نقل کیا ہے، پھر اسے ضعیف بھی کہا ہے۔

اس کے بعد صنعانی کہتے ہیں: جب آپ نے اسے جان لیا تو آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ بیس رکعات کے سلسلہ میں کوئی مرفوع روایت موجود نہیں ہے بلکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک متفق علیہ روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ ان ساری باتوں سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس طریقہ کے مطابق کی نماز تراویح جس پر اکثریت کا اتفاق ہو گیا ہے، بدعت ہے۔ ہاں، رمضان میں قیام اللیل بلا اختلاف سنت ہے اور نفل کو باجماعت ادا کرنے پر بھی کوئی نکیر نہیں ہے، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے رات کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی ہے، لیکن آج جس طریقہ سے اور جس کمیت (مقدار) کے ساتھ نماز تراویح ادا کی جا رہی ہے اسے سنت کہنا اور اس کی پابندی کرنا، اسے ہم بدعت کہہ رہے ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے: پھر خلیفہ راشد عمر رضی اللہ عنہ نے خود رمضان کی راتوں میں اس نماز کے لئے لوگوں کے جمع کرنے کے منظر کو دیکھ کر اسے بدعت کہا۔ انہوں نے اسے سنت نہیں کہا۔ اس پر آپ غور کریں۔[1] شیخ صنعانی کی بات باختصار ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: شیخ صنعانی کے مذکورہ بالا کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقہ کے مطابق نماز تراویح جس پر مسلمانوں کا توارث وتواتر کے ساتھ عمل چلا آرہا ہے، بدعت ہے۔ وہ رمضان کی تمام راتوں میں نماز تراویح کے التزام کو بدعت کہہ رہے ہیں۔ نیز وہ بیس رکعات تراویح کے التزام کو بدعت قرار دے رہے ہیں۔ صنعانی رحمہ اللہ کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ اپنے اس موقف سے زیدیہ کی رائے کو ثابت کررہے ہیں جن کے نزدیک نماز تراویح اور چاشت کی نماز بدعت ہے۔ امام شوکانی نے اپنی مبارک کتاب "السیل الجرار (1/329)" میں ان لوگوں کے قول کا رد کیا ہے۔

اس سے ہمارے لئے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شیخ صنعانی کی رائے اس سے مختلف ہے جو شیخ البانی نے ان کی طرف منسوب کی ہے بلکہ شیخ صنعانی کی رائے وہی ہے جو شیخ ابن العربی کی رائے ہے۔ دونوں کے نزدیک پورے رمضان میں ایک متعین تعداد رکعات کے ساتھ نماز تراویح کا التزام جائز نہیں ہے۔ یہ دونوں حضرات گیارہ رکعات میں اضافہ کو ناجائز نہیں کہتے ہیں۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کی رائے شیخ البانی کی رائے کے موافق نہیں ہے جو گیارہ رکعات میں مطلق اضافہ کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں۔

اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ البانی نہ صرف یہ کہ اس طرح کی رائے رکھنے کے معاملہ میں سبقت کرنے والے ہیں بلکہ اس رائے کے ذریعہ انہوں نے گیارہ رکعات میں اضافہ کے جواز پر مسلمانوں کے اجماع کی مخالفت کی ہے جیسا کہ ابن قدامہ نے بیس رکعات پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔[2]

---

(1) سبل السلام (2/21،22،23)

(2) المغنی (2/604)

اسی طرح شیخ البانی کا موقف اس کے بھی بر خلاف ہے جو ابن رشد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کثیر وقت پر محیط نماز قلیل وقت پر محیط نماز سے افضل ہے۔[1] نیز شیخ البانی کی رائے مالک رحمہ اللہ کی اُس روایت کے بھی بر خلاف ہے جو انہوں نے نافع سے نقل کی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو انتالیس (39) رکعات ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کی رائے اس کے بھی بر خلاف ہے جس پر قرآن کریم کے نصوص دلالت کر رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ قیام اللیل کے وقت کو طویل کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور قرآن مجید نے کسی متعین عدد کی تحدید نہیں کی ہے۔ واللہ اعلم

پانچواں موضوع: نماز تراویح کو نماز استسقاء و نماز کسوف سے تشبیہ دینا۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "صلاۃ التراویح" کے صفحہ (22) پر یہ عنوان قائم کیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ رکعات پڑھنے پر اکتفاء کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس عدد میں اضافہ کرنا جائز نہیں۔ پھر اس عنوان کے تحت انہوں نے لکھا ہے: گزری ہوئی باتوں سے یہ واضح ہو گیا کہ قیام اللیل گیارہ رکعات ہے۔ یہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہونے کی وجہ سے صحیح نص ہے۔ جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر گیارہ رکعات ہی ادا کیا۔ آپ نے رمضان یا غیر رمضان میں اس میں اضافہ نہیں کیا۔ جب ہم سنن موکدہ اور نماز استسقاء و نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز) کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب نمازوں میں متعین عدد رکعات کی پابندی کی ہے۔ علماء کے نزدیک یہ التزام اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ ان نمازوں کے عدد رکعات میں اضافہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح نماز تراویح کے مسنون عدد رکعات میں اضافہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نماز تراویح اور اوپر مذکور دیگر نمازیں اس بات میں مشترک ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ادائیگی میں متعین عدد رکعات کا التزام کیا ہے۔ آپ نے ان کے رکعات میں کبھی اضافہ نہیں کیا۔ جو یہ دعوی کرے کہ نماز تراویح اور ان دیگر نمازوں کے درمیان فرق ہے اس کے لئے دلیل پیش کرنا ضروری ہے اور اس کے لئے دلیل پیش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔[2]

---

(1) الذخیرۃ (407/2)

(2) دیکھئے: رسالہ "صلاۃ التراویح" ص (22)

جواب: شیخ البانی رحمہ اللہ نے نماز تراویح کو نماز کسوف و استسقاء سے تشبیہ دے کر ایک مثال بیان کی ہے، کیونکہ دونوں کے درمیان یہ قدرے مشترک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی ادائیگی میں متعین عدد رکعات کا التزام کیا اور رکعات میں اضافہ نہیں کیا۔ ایسا ہی انہوں نے کہا ہے۔ اسی طرح یہ احتمال بھی ہے کہ شیخ نے نماز تراویح کی رکعات میں اضافہ کے حکم کو نماز استسقاء و کسوف کی رکعات میں اضافہ کے حکم پر قیاس کیا ہے، لہذا ہم آگے کی سطور میں ان دونوں احتمالات کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کا جائزہ لیں گے۔

پہلا احتمال: نماز تراویح کو نماز استسقاء و نماز کسوف سے تشبیہ دینا۔ یہ تشبیہ محل نظر ہے۔ اس لئے کہ اصلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام اللیل میں متعین رکعات کا التزام ہی نہیں کیا ہے۔ صرف شیخ البانی کی رائے میں آپ نے متعین رکعات کا التزام کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات سے زیادہ بھی پڑھا ہے اور گیارہ رکعات سے کم بھی پڑھا ہے۔ یہ مختلف عدد رکعات صرف قیام اللیل کے سلسلہ میں ثابت ہے۔ نماز استسقاء و کسوف میں مختلف عدد رکعات ثابت نہیں ہے۔ اس فرق کی وجہ سے شیخ نے نماز تراویح اور نماز استسقاء و کسوف کے درمیان جس مشابہت کا دعوی کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم

دوسرا احتمال: یہ ہے کہ انہوں نے نماز تراویح کی رکعات میں اضافہ کے عدم جواز کو نماز کسوف و استسقاء کی رکعات میں اضافہ کے عدم جواز پر قیاس کیا ہے اور دونوں پر ایک ہی حکم لگایا ہے، اس لئے کہ دونوں کے درمیان قدرے مشترک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی ادائیگی میں متعین رکعات کا التزام کیا۔ یہ قیاس محل نظر ہے۔ اس لئے کہ شیخ کے نزدیک اصلاً اس صورت حال میں قیاس نہیں کیا جائے گا۔[1] اس لئے کہ یہ توقیف وحظر پر مبنی عبادات ہیں۔ اس اصل کے تحت تراویح، استسقاء اور کسوف سب کی رکعات میں اضافہ شامل ہے۔ ان ساری عبادات پر ایک ہی اصل کے تحت حکم لگایا جائے گا کیونکہ اس اصل کے معاملے میں ان کے درمیان اشتراک ہے۔ اور وہ اصل یہ ہے کہ عبادات توقیفی ہیں، لہذا ان میں سے بعض کو بعض پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ عبادات ایک متعین اصل کے تحت آتی ہیں۔ جو اس بات کا قائل ہے کہ نماز استسقاء و کسوف اصل ہے اور نماز تراویح فرع ہے اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ نیز قیاس میں معتبر علت

---

(1) شیخ البانی رحمہ اللہ اس اصل کے مخالف نہیں ہیں۔ دیکھئے: ان کی کتاب "أحكام الجنائز وبدعها" کا مقدمہ

کی تحدید کی دلیل بھی پیش نہیں کی جاسکتی ہے اور عبادات کے توقیفی ہونے کو علت قرار دینا بھی جائز نہیں ہے، اس لئے کہ توقیفی ہونا تمام عبادات کے درمیان قدرے مشترک ہے۔ اس معاملہ میں کسی عبادت کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے التزام کو علت قرار دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ نماز کی صفات میں سے نہیں ہے، کیونکہ نماز اس کی وجہ سے مشروع نہیں ہوئی ہے۔ یہاں علت عدم فعل (نہ کرنا) ہے اور عدم کوئی چیز نہیں ہوتی، یعنی اس کا وجود ہی نہیں ہے، لہذا اسے ایسی علت قرار دینا جائز نہیں ہے جس پر حکم کا دارومدار ہو۔ نیز قیاس کی مشروعیت ایسے معاملہ میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے ہوئی ہے جس میں پہلے سے اثبات یا نفی کا کوئی شرعی حکم موجود نہ ہو۔ قیاس کی مشروعیت ان احکام کی نفی کے لئے نہیں ہوئی ہے جن کے بارے میں معروف ہے کہ حکم شرعی نے اس کی نفی کی ہوئی ہے اس لئے کہ وہ حکم ایک متعین اصل کے تحت آتا ہے، لہذا یہاں قیاس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہاں مقیس (جسے قیاس کیا جائے) اور مقیس علیہ (جس پر قیاس کیا جائے) دونوں حکم میں یکساں ہیں، کیونکہ دونوں ایک اصل کے تحت آتے ہیں۔ نیز شیخ کا یہ قیاس ایک اور پہلو سے محل نظر ہے۔ اس لئے کہ ان کا یہ قیاس نماز تراویح کے تعلق سے کسی حکم کے اثبات یا نفی کے لئے نہیں ہے جو حکم نماز استسقاء و کسوف کے تعلق سے ثابت یا غیر ثابت ہے بلکہ ان کا یہ قیاس نماز تراویح کے عدد رکعات میں اضافہ کی نفی سے تعلق رکھتا ہے اور نماز تراویح کے عدد رکعات میں اضافہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جبکہ نماز کسوف و استسقاء کی رکعات میں اضافہ مشروع نہیں ہے۔ اور یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ جو چیز مشروع نہ ہو وہ دین نہیں ہے اور جو چیز دین کا حصہ نہ ہو اس پر اس چیز کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے جو دین ہے۔ اس لئے کہ قیاس نام ہے کسی معلوم چیز کو کسی معلوم چیز پر محمول کرنے کا، بایں طور کہ دونوں کے لئے کسی حکم کو ثابت کیا جائے یا دونوں سے کسی حکم کی نفی کی جائے جبکہ دونوں کے درمیان کسی حکم یا صفت کے اثبات یا نفی کا رشتہ موجود ہو۔[1]

اس اعتبار سے نماز تراویح میں اضافہ کی ممانعت کو نماز استسقاء و نماز کسوف میں اضافہ پر قیاس کرنا قیاس کے مفہوم کے تحت نہیں آتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک معدوم کو دوسرے معدوم پر قیاس کرنا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نماز استسقاء و کسوف میں اضافہ کا عدم جواز معلوم ہے، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا جبکہ نماز تراویح کا معاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ شیخ کی رائے کی حد تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح میں اضافہ معدوم نہیں بلکہ موجود

---

(1) المستصفى (228/2)

ہے۔اس طرح یہ نمازیں ایک دلیل میں مشترک ہیں لیکن شیخ البانی نے ان میں سے ایک کو دوسری پر قیاس کیا ہے تا کہ مقیس کے لئے مقیس علیہ کا حکم ثابت کریں۔

ایک دوسری بات یہ ہے کہ اس پورے معاملہ کو قیاس کہنا بھی محل نظر ہے، کیونکہ اس میں ایک فعل کی خلاف ورزی کے مفہوم کو دوسرے فعل کی خلاف ورزی کے مفہوم پر قیاس کیا گیا ہے لہذا اگر افعال کی خلاف ورزیوں کا مفہوم دلیل بننے کے لائق ہو تو یہ چیز مقیس اور مقیس علیہ دونوں کے حق میں یکساں طور پر ثابت ہے، لہذا اس معاملہ میں ایک کو دوسرے پر کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے، اس لئے کہ دونوں دلیل کے معاملہ میں برابر ہیں اور قیاس کی ضرورت تب ہوتی ہے جب دلیل موجود نہ ہو۔ اور اگر افعال کی خلاف ورزیوں کا مفہوم دلیل بننے کے لائق نہ ہو۔ یہاں اس نے دونوں صورتوں میں اضافہ کی ممانعت پر دلالت کیا۔ ایک قاعدہ یہ ہے کہ عبادات میں اصل ممانعت ہے۔ اس اصل میں دونوں طرح کی عبادتیں شریک ہیں لہذا ایک کو دوسری پر کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ اس صورت میں ان میں سے ایک کو مقیس اور دوسری کو مقیس علیہ بنانا کیسے صحیح ہو گا؟ واللہ اعلم

شیخ البانی کی رائے کا مطالعہ

پہلی بات: شیخ البانی نے کہا ہے: جب ہم اس میں غور وفکر کرتے ہیں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر مسلسل اس عدد رکعات کی پابندی کی۔ اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ نیز شیخ کا یہ بھی کہنا ہے کہ ان دونوں نمازوں کا مذکورہ بالا نمازوں کے ساتھ اس معاملہ میں اشتراک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ادائیگی میں ایک متعین عدد رکعات کی پابندی کی اور اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔

جواب: اس دعویٰ کا کچھ حصہ صحیح اور کچھ حصہ غلطی پر مبنی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف و استسقاء میں متعین عدد رکعات کا التزام کیا، اس میں کمی یا بیشی نہیں کی۔ شیخ کے دعوی میں غلط یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام اللیل میں متعین عدد رکعات کا التزام کیا اور اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اس غلطی کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: یہ ہے کہ صحاح ومسانید وسنن میں یہ ثابت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز گیارہ رکعات سے کم بھی تھی مثلاً نو اور سات رکعات بھی روایتوں سے ثابت ہے تو پھر متعین عدد رکعات کے التزام کا دعوی کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز متنوع قسم کی تھی؟

دوسری صورت: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے سلسلہ میں تیرہ رکعات بھی ثابت ہے۔ یقیناً شیخ البانی پر یہ حدیث مخفی نہیں تھی لیکن انہوں نے اس کی تاویل کی کہ اس میں دو رکعات کا جو اضافہ ہے وہ عشاء کی سنت مؤکدہ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے قیام اللیل میں اضافہ کے عدم جواز کو نماز کسوف و استسقاء میں اضافہ کے عدم جواز پر قیاس کیا تاکہ دوسروں کے لئے یہ لازم کر دیں کہ اس رائے کو اختیار کرنا واجب ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی نماز میں کسی متعین عدد رکعات کی پابندی نہیں کی۔ اس کے برخلاف نماز استسقاء و نماز عید کو متعین عدد رکعات کے ساتھ ادا کیا۔ ان کا موقف اس لئے بھی غلط ہے کہ قیاس میں فرع کو اصل کی طرف لوٹایا جاتا ہے جبکہ دونوں کے درمیان ایک مشترک علت موجود ہو۔[1]

پھر اگر ان کے اس قیاس کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قیام اللیل صرف دو رکعات ہے تبھی ان کے لئے یہ صحیح ہو گا کہ وہ اسے نماز عید کی دو رکعات پر قیاس کریں لیکن ان کا مقصد یہ نہیں ہے بلکہ وہ نماز کسوف و استسقاء و عید میں جو چیز مشروع نہیں ہے اس پر قیاس کر رہے ہیں تاکہ نماز تراویح کے تعلق سے ایک شرعی حکم کو ثابت کر سکیں جس کے دوسرے لوگ پابند ہو جائیں اور اس کے برخلاف کرنے والے ان کی رائے میں مخالف سنت قرار پائیں۔

دوسری صورت: اگر ہم یہ مان لیں کہ یہ مسئلہ قیاس کے باب سے تعلق رکھتا ہے تو اس سے قیاس کے ذریعہ سنت کا رد لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ اس صورت میں قیاس کا اعتبار نہیں ہو گا جبکہ وہ سنت کے برخلاف ہو لیکن شیخ البانی نے اس کا خیال نہیں رکھا۔ چنانچہ انہوں نے گیارہ رکعات میں اضافہ کے مشروع نہ ہونے کا حکم لگا دیا اور اس کے لئے انہوں نے نماز کسوف و استسقاء پر رات کی اِس نماز کو قیاس کیا۔ انہوں نے اس طرح حدیث رسول "رات کی نماز دو دو رکعات ہے۔" کو مطلق مانا اور دوسری حدیث "تم کثرت سجود کے ذریعہ اپنے آپ کی مدد کرو" کو عام معنی میں لیا جبکہ پہلی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رات کی نماز میں رکعات کی تعداد متعین نہیں ہے اور دوسری حدیث میں کثرت سجود کی رغبت دلائی گئی ہے لیکن اس کے لئے کوئی تعداد متعین نہیں کی گئی ہے اور کثرت سجود کے حصول کے لئے سجود کو طویل کرنے کے ساتھ اس کی تعداد کو زیادہ کرنا ضروری ہے۔ اس طرح یہ دونوں حدیثیں واضح طور پر اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رات کی نماز

---

(1) التمھید لأبی الخطاب (1/24، 3/358)

کے رکعات کی تعداد غیر محدود ہے۔اس کی شہادت اس سے بھی حاصل ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل میں رکعات کی تعداد مختلف رہی ہے۔ اگر اس سے کوئی عدد مراد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اسی طرح پابندی کی ہوتی جس طرح آپ نے نماز استسقاء اور نماز عید میں تعداد رکعات کی پابندی کی۔

چنانچہ قیام اللیل کو نماز عید واستسقاء وکسوف کے مماثل سمجھنا محل نظر ہے، کیونکہ یہ مستقل بالذات عبادات ہیں۔ ان میں سے ایک کو دوسرے کے مماثل ومشابہ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ان میں سے ہر ایک کے طریقے وارد ہیں جو ان کی کیفیت کو واضح کرتے ہیں لہذا قیاس کے ذریعہ ان طریقوں کی دلالت کو رد کرنا جائز نہیں ہے۔

تیسری صورت: شیخ البانی نے ان نمازوں کے درمیان اس طور پر تفریق نہیں کی ہے کہ ایک کے عدد کو قول کے ذریعہ مطلق نہیں رکھا گیا اور دوسری کے عدد کو قول کے ذریعہ مطلق رکھا گیا ہے۔

یہ بات محدثین کے نزدیک معروف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف واستسقاء کو متعین عدد رکعات کے ساتھ ادا کیا، نہ اس میں اضافہ کیا اور نہ کمی کی۔ نیز آپ نے ان نمازوں میں کثرت سجود پر آمادہ بھی نہیں کیا بلکہ ان کے عدد رکعات کو مطلق نہیں رکھا لہذا ہمارے لئے واجب ہے کہ ہم ان عبادات کے سلسلہ میں جو کچھ وارد ہے اسی پر اکتفاء کریں اور ان عبادات کے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اختیار کریں۔ قیام اللیل کا معاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے متعدد اوصاف اور متعدد عدد رکعات کے ساتھ پڑھا ہے۔ آپ نے اس نماز میں کسی متعین عدد رکعات کا التزام نہیں کیا ہے۔ نیز آپ نے اسے زیادہ سے زیادہ ادا کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کے عدد رکعات کو مطلق رکھا ہے۔ لیکن شیخ البانی نے ان فروق پر غور نہیں کیا بلکہ انہوں نے ان تمام عبادات کو یکساں وبرابر کر دیا۔ چنانچہ گیارہ رکعات پر اکتفاء کرنا صرف ایک سنت پر عمل ہے اور اس کے علاوہ تیرہ رکعات سے متعلق سنتوں اور رات میں کثرت سجود پر آمادہ کرنے والی سنتوں کو ترک کرنا ہے جو کہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے کچھ سنتوں کو رد کرنا لازم آتا ہے جبکہ تمام سنتوں کو قبول کرنا واجب ہے۔ شیخ البانی نے ان سنتوں کی تاویل کی ہے اور اس بات کو حتمی طور پر مان لیا ہے کہ قیام اللیل نماز استسقاء وکسوف ہی کی طرح ایک محدود عبادت ہے حالانکہ شیخ اہل حدیث ہیں اور وہ قیاس کے ذریعہ سنتوں کی مخالفت کا انکار کرنے والوں میں سے ہیں۔ واللہ اعلم

چوتھی صورت: شیخ البانی کا ان عبادات کے درمیان فرق کو مستبعد قرار دینا۔

شیخ البانی نے اپنے مذکورہ بالا کلام کے آخر میں ذکر کیا ہے کہ قیام اللیل اور نماز کسوف و استسقاء کے درمیان کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہے اور ان نمازوں کے درمیان فرق کو ثابت کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ایک الٹا دعوی ہے۔ اس لئے کہ قیام اللیل کے مخصوص احکام ہیں جو نماز کسوف و استسقاء کے نہیں ہیں۔ جب قیام اللیل کی خصوصیات ثابت ہو جائیں تو ان عبادات کے درمیان فرق خود بخود ہو جاتا ہے۔

قیام اللیل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بغیر سبب کے مشروع ہونے والی عبادت ہے۔ چنانچہ ہر رات اسے پابندی کے ساتھ ادا کرنا اللہ کی قربت کے حصول کے لئے افضل اعمال میں سے ہے۔ نماز کسوف و استسقاء کا معاملہ اس کے بر خلاف ہے، کیونکہ یہ دونوں عبادتیں اسباب سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ دونوں نمازیں تبھی ادا کی جاتی ہیں جب ان کے اسباب موجود ہوں۔

علاوہ ازیں قیام اللیل کی متعدد صفات و کیفیات مشروع ہیں، مثلاً اس کی متعدد رکعات ہیں۔ نماز کسوف و استسقاء کا معاملہ اس کے بر خلاف ہے کیونکہ رکعات کے لحاظ سے ان کی ایک ہی کیفیت ہے۔ نیز نماز عید دن میں ادا کی جاتی ہے اور نماز کسوف دن و رات دونوں میں ادا کی جاتی ہے لیکن قیام اللیل ان کے بر خلاف ہے کیونکہ یہ صرف رات میں ادا کی جاتی ہے اور دن میں صرف اس کی قضا کی جاتی ہے۔

نیز رات کی نماز کے لئے قولی حدیثیں منقول ہیں جو ان کی زیادہ سے زیادہ ادائیگی کی دعوت دیتی ہیں بر خلاف نماز کسوف و استسقاء کے، کیونکہ ان کی رکعات میں اضافہ سے متعلق نہ کوئی قولی سنت منقول ہے اور نہ کوئی فعلی سنت آئی ہے۔

شیخ البانی کے دعوی کے غلط ہونے کے لئے ان فروق میں سے ایک فرق کا ہونا کافی ہے اور یہاں تو اتنے سارے فروق بیان کر دیئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم

چھٹا موضوع: عام اور مطلق اور مقید و فعل کے درمیان تفریق نہ کرنا۔

شیخ البانی رحمہ اللہ اپنی کتاب کے صفحہ (29) پر لکھتے ہیں: تیسرا شبہ یہ ہے کہ یہ لوگ مطلق اور عام نصوص کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں۔ یعنی ان میں سے کچھ لوگ ان مطلق اور عام نصوص سے استدلال کرتے ہیں جن میں متعین عدد رکعات کی تحدید کے بغیر بکثرت نماز پڑھنے پر آمادہ کیا گیا ہے مثلاً ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں

مرافقت (ساتھ رہنے) کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا: "تم اس معاملہ میں کثرت سجود کے ذریعہ میری مدد کرو۔" ایک دوسری مثال ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "رمضان میں قیام اللیل کی ترغیب دیتے تھے......" اور اسی طرح کی دیگر احادیث جن کے مطلق بیان اور عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز اس طور پر مشروع ہے کہ نمازی جتنی رکعات چاہے ادا کر سکتا ہے۔

اس کے بعد شیخ البانی نے کہا ہے: اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کے مطلق وعام نصوص کو مضبوطی سے پکڑنا نہایت کمزور موقف ہے بلکہ یہ ایک ایسا شبہ ہے جسے نقل کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ مطلق نصوص پر عمل تب صحیح ہوتا ہے جبکہ شارع نے اسے مقید نہ کیا ہو لیکن جب شارع نے کسی مطلق حکم کو کسی قید سے مقید کر دیا ہے تو پھر اس قید کو اختیار کرنا واجب ہے اور مطلق پر اکتفاء کرنا صحیح نہیں ہے۔ جب ہمارا زیر بحث مسئلہ "مسئلہ تراویح" مطلق نوافل سے تعلق نہیں رکھتا ہے، اس لئے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نص کے ساتھ مقید ہے جیسا کہ اس کی وضاحت اس فصل کے شروع میں کی جا چکی ہے۔[1] تو پھر اس قید کو معطل کر کے مطلق کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا جائز نہیں ہے...... الخ صلاۃ التراویح صفحہ (32)

جواب: شیخ البانی کا یہ قول چند اصولی بحث پر مشتمل ہے اور اس سے استدلال محل نظر ہے۔ ذیل کی سطور میں اس کا تفصیلی جائزہ لیا جا رہا ہے:

پہلی بات: شیخ البانی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کثرت سجود پر آمادہ کرنے اور رمضان میں قیام اللیل کی ترغیب دینے کو مطلق احادیث کے زمرہ میں رکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اصولیین کے نزدیک مطلق بعینہ کسی ایک کو شامل نہیں ہوتا ہے بلکہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس کی جنس کو شامل ہوتا ہے اور یہ حقیقت حکم کے سیاق میں نکرہ ہوتی ہے

(1) اس سے ان کا اشارہ ان کے اس قول کی طرف ہے: قیام اللیل کے رکعات کی تعداد گیارہ ہے۔ یہ صحیح نص سے ثابت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے۔ ص (22)

مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "فتحرير رقبة"[1] (تو اس کے ذمہ ایک غلام آزاد کرنا ہے) اور کبھی یہ اطلاق خبر میں ہوتا ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: "لا نكاح إلا بولي"[2] (نکاح صرف ولی کے ذریعہ ہوتا ہے)

رہے حدیث میں وارد یہ دو کلمے: "كثر السجود" اور "قيام رمضان" تو یہ مطلق نہیں ہیں بلکہ یہ معرفہ ہیں، یہ اضافت کی وجہ سے معرفہ بنے ہیں لہٰذا انہیں مطلق کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مطلق کے دائرہ سے باہر ہیں بلکہ یہ عموم کے الفاظ میں سے ہیں، مطلق سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ اصولیوں نے ذکر کیا ہے کہ اضافت کے ذریعہ معرفہ بننے والے کلمات عموم کے الفاظ ہوتے ہیں۔[3]

دوسری بات: شیخ البانی نے فعلی سنتوں کو مقید میں شمار کیا ہے۔ ایسا سمجھنا محل نظر ہے۔ اس لئے کہ اصولیوں کے نزدیک مقید کی تعریف یہ ہے: وہ کوئی متعین چیز ہوتی ہے یا غیر متعین چیز ہوتی تو اس کی جنس کو شامل حقیقت کے علاوہ ایک اضافی چیز کے ذریعہ اس کی صفت بیان کی گئی ہوتی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "وتحرير رقبة مؤمنة"[4] (اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا بھی ضروری ہے) نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين"[5] (پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگاتار روزے ہیں) پہلی آیت میں رقبۃ کو ایمان کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اور دوسری آیت میں صیام کو تتابع کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔[6]

---

(1) سورۃ المجادلۃ/3

(2) دیکھئے: روضۃ الناظر، ص(136)

(3) دیکھئے: روضۃ الناظر، ص(221) سعید کی تحقیق، ارشاد الفحول، ص(115)

(4) سورۃ النساء/92

(5) سورۃ النساء/92

(6) روضۃ الناظر، ص(136)

شوکانی مطلق کی تعریف میں اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: رہا مقید تو وہ ہے جو مطلق کے بالمقابل ہو اور مطلق کی جو حدود ذکر کی گئی ہیں اس کے بر عکس ہو۔[1]

مطلق اور مقید اصلاً اقوال کے خصائص ہیں۔ یہ افعال کے اوصاف میں سے نہیں ہیں۔ اس لئے کہ مقید مطلق سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ مطلق کے اطلاق کو ختم کر دیتا ہے اور اس مقید کے سیاق میں جو اضافی صفت ذکر کی جاتی ہے اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ ابو الخطاب کہتے ہیں: مقید میں کسی بھی معاملہ کی انتہائی درجہ کی خصوصیت پائی جاتی ہے، اس لئے کہ وہ اس معاملہ کے سلسلہ میں صریح ہوتا ہے...... اور خاص عام سے اولیٰ ہے۔[2] ان کی بات ختم ہوئی۔

یہ بات بھی معلوم و متحقق ہے کہ تعارض کے وقت اقوال افعال پر مقدم ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب افعال کو اقوال کے لئے مقید مان لیا جائے گا تو اس صورت میں تعارض کے وقت افعال اقوال پر مقدم ہو جائیں گے اور یہ جمہور سلف امت کے موقف کے بر خلاف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اصلاً شرعی دلائل کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے لہذا مطلق پر اس کے اطلاق کے ساتھ عمل کرنا واجب ہے۔ اسی طرح مقید پر اس کی قید کے ساتھ عمل کرنا ضروری ہے، الا یہ کہ دونوں کے درمیان تعارض ہو جائے۔ شیخ البانی نے اس اصل پر عمل نہیں کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مطلق کو اس چیز کے ذریعہ مقید کر دیا ہے جس کے اندر مقید ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے چہ جائیکہ ان کے درمیان تعارض ہو۔

ابو الخطاب کہتے ہیں: مطلق کا ظاہر اس کا متقاضی ہوتا ہے کہ اسے اس کے اطلاق پر محمول کیا جائے، اسے مقید کے ساتھ خاص نہ کیا جائے، الا یہ کہ دونوں کے درمیان کوئی تعلق ہو۔ وہ تعلق یا تو لفظ کی جہت سے ہو یا معنی کی جہت سے ہو۔ لفظ کی جہت سے تعلق کی صورت یہ ہے کہ مطلق مقید پر کسی حرف عطف کے ذریعہ یا کسی پوشیدہ ضمیر وغیرہ کے ذریعہ عطف ہو۔ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں یہ صورت موجود نہیں ہے۔ معنی کی جہت سے تعلق یہ ہے کہ عتقان (دونوں آزاد کی ہوئی گردنیں)

---

(1) ارشاد الفحول، ص (146)

(2) التمهيد لأبي الخطاب (178/2)

علت تقیید میں متفق ہوں اور یہ قیاس کے ذریعہ محمول کرنا ہوا اور ہماری بات قیاس کے ضمن میں نہیں ہے۔ اور جب مطلق و مقید کے درمیان کوئی تعلق نہ ہو تو ان میں سے ایک کو دوسرے پر محمول نہیں کیا جائے گا۔[1]

ایک اور بات یہ ہے کہ مقید کے اندر مطلق کے مقابلہ اضافی وصف کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس پر مطلق کو محمول کرنا صحیح ہو۔ یہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ رکعات نماز سے زیادہ سے زیادہ جو بات معلوم ہوتی ہے وہ اس عدد کی مشروعیت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اس عدد میں اضافہ کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتا ہے کیونکہ اس کے اندر مطلق کے برخلاف اضافی وصف موجود نہیں ہے۔

گیارہ رکعات سے زائد کی عدم مشروعیت پر شیخ البانی کا استدلال اس سے ہے کہ آپ نے ایسا نہیں کیا، نفس عمل سے ان کا استدلال نہیں ہے اور یہ بات معلوم و متحقق ہے کہ عدم عمل کو عین عمل سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اس وصف کو یعنی آپ کے گیارہ رکعات کے عمل کو آپ کے قول کا مقید سمجھنا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ کا عمل گیارہ رکعات کی مشروعیت کے سلسلہ میں آپ کے قول کے موافق ہے اور گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنے کی مشروعیت کے برخلاف بھی نہیں ہے۔ یہ عدم فعل یعنی گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھنے کے برخلاف ہے۔ اور عدم (جس کا وجود نہ ہو) کوئی چیز نہیں ہوتی ہے تو پھر اسے آپ کے قول کا مقید سمجھنا کیسے صحیح ہو گا۔

تیسری بات: شیخ البانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو آپ کے مطلق اقوال کے لئے مقید مانا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دلالت کرتے ہیں اور آپ کے اقوال کے اطلاق کو باطل کر دیا جبکہ صحیح یہ ہے کہ آپ کے اقوال مطلق نہیں بلکہ عام ہیں اور ساتھ ہی آپ کے اقوال و افعال کے درمیان تعارض بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال میں جس چیز پر ابھارا اور جس کی ترغیب دی ہے اس کے بعض حصہ پر عمل بھی کیا ہے اور اس میں کچھ بھی تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ کا فعل آپ کے قول کے مدلول کا کچھ حصہ ہے، وہ آپ کے قول سے بالکل الگ یا اس کے برخلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ کا فعل آپ کے قول کے معارض تب ہوتا جب آپ کا فعل اس کے بالکل الٹا ہوتا جس پر آپ کا قول دلالت کر رہا ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پینا جبکہ آپ

---

(1) دیکھئے: التمھید (182/2) نیز دیکھئے: إرشاد الفحول (10/2)

نے کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا ہے اور آپ کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جبکہ آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع کیا ہے۔

علاوہ ازیں اصول کی رو سے مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ مطلق کو اس کے اطلاق پر اور مقید کو اس کی قید پر باقی رکھنا ضروری ہے۔ مقید کو مطلق کی طرف تبھی لے جایا جائے گا جب تعارض واقع ہو، اس لئے کہ دلائل کے مفہوم کو باطل نہیں کیا جائے گا مگر کسی دلیل کے ذریعہ اور شیخ البانی نے جو بات کہی ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اقوال و افعال کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ بلا دلیل مطلق اقوال کو چھوڑ دیا گیا ہے اور صرف اس پر عمل کیا گیا ہے جس پر افعال دلالت کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تشریع کا دارومدار صرف افعال کی دلالت پر ہے نہ کہ اقوال کی دلالت پر اگرچہ دونوں کے درمیان تعارض بھی نہ ہو۔ میرے علم میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔[1]

نیز میرے علم میں سلف کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ مطلق اقوال کو افعال پر محمول کرنا جائز نہیں ہے۔ سلف کا اختلاف مطلق اقوال کو مقید پر محمول کرنے کے سلسلہ میں ہے۔ چنانچہ امام احمد کے دو اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دونوں دلیلوں پر عمل کرنا واجب ہے۔ یہ جمہور احناف اور کچھ شوافع کا مسلک ہے۔ مالکیہ کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔[2]

کچھ اصولیوں نے بیچ کی راہ اختیار کی ہے۔ چنانچہ ان کے بقول: اگر مطلق کو مقید کرنے کی دلیل موجود ہو تو اسے اختیار کیا جائے گا ورنہ مطلق اپنے اطلاق پر اور مقید اپنی قید پر باقی رہے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کی زبان میں ہم سے خطاب کیا ہے۔[3]

---

(1) علمائے اصول نے یہ صراحت کی ہے کہ جب کوئی عام لفظ آئے پھر کوئی خاص لفظ آئے جو اس عام لفظ کا جزء ہو یا اس میں داخل ہو تو وہ خاص لفظ عام لفظ کو خاص نہیں کرے گا بلکہ عام اپنے عموم پر باقی رہے گا کیونکہ خاص اس کے موافق ہے۔ دیکھئے: شرح الکوکب (3/386) میں کہتا ہوں: جب اقوال کے درمیان یہ قاعدہ ہے تو اقوال و افعال کے درمیان اس قاعدہ کا نفاذ بدرجہ اولیٰ ہو گا۔

(2) روضۃ الناظر، ص(137)

(3) دیکھئے: البرھان (15/2)، مفتاح الوصول، ص(78)

چوتھی بات: شیخ البانی رحمہ اللہ نے جو کیا ہے اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ انہوں نے افعال کو اقوال کے مفہوم کے لئے مقید مانا ہے اور ایسا کرنا محل نظر ہے۔ اس لئے کہ کثرت سجود کا حکم دینا اور رمضان میں قیام اللیل کی ترغیب دینا دراصل تحدید رکعات کے بغیر زیادہ سے زیادہ نفل نماز ادا کرنے کی دعوت دینا ہے۔ اوپر نقل کی گئی دونوں احادیث کا مفہوم یہی ہے۔ رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ رکعات ادا کرنا تو یہ گیارہ رکعات سے زیادہ کی عدم مشروعیت پر تب دلالت کرتا جبکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کرنے کی وجہ سے مشروع ہوتا اور جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ گزری ہوئی دونوں احادیث کے مفہوم کے برخلاف ہے۔ شیخ البانی نے اسی کو لیا ہے اور دونوں حدیثوں کے منطوق (لفظی دلالت) پر اسے مقدم کر دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے گیارہ رکعات میں اضافہ کے بدعت ہونے کی بات کہہ دی ہے۔ شیخ البانی کے اس استدلال کو یا تو اس پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمل نہیں کیا وہ سنت ترک ہے یا وہ آپ کے فعل کا مفہوم ہے۔ اور یہ اصولیین کے نزدیک ثابت شدہ اس قاعدہ کے برخلاف ہے کہ افعال کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا ہے۔[1] اور نہ افعال کا کوئی عموم ہوتا ہے۔[2] اس بناء پر اقوال کے مفہوم پر اسے مقدم کرنا صحیح نہیں ہے جس کا وجود ہی نہیں ہے۔

حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کے رمضان میں قیام اللیل کرنے اور آپ کے کثرت سجود پر آمادہ کرنے کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ نے اپنی امت کے لئے جو مشروع کیا اس کے کچھ حصہ پر عمل کیا۔ چنانچہ آپ کی گیارہ رکعات نماز آپ کے اس قول کے مفہوم میں داخل ہے کہ "تم کثرت سجود کے ذریعہ اپنے اوپر میری مدد کرو" اس لئے کہ اس کثرت میں گیارہ رکعات بھی شامل ہیں۔ اور اس کے علاوہ اس سے زائد رکعات والی نماز بھی شامل ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مشروع کیا اس کے کچھ حصہ پر آپ کا عمل اسے باطل کرنے والا ہے جسے آپ نے نہیں کیا اور جو آپ کے قول کے مفہوم میں داخل ہے۔ اگر اس طرح کی بات کہی جائے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی سنتوں کے ایک بہت بڑے حصہ کا تفقہ ضائع ہو جائے گا بلکہ اس کی وجہ سے صرف آپ کے کئے ہوئے عمل کو اسوہ بنانا مشروع ہوگا اور جو آپ نے نہیں کیا اس کی ممانعت ہوگی۔ اس ممانعت میں مشروعیت پر دلالت کرنے والا آپ کے قول کا عموم بھی

---

(1) دیکھئے: إرشاد الفحول (36/2)

(2) دیکھئے: إرشاد الفحول (314/1)

داخل ہو جائے گا۔ اور یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سے فعل کے مفہوم کو جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے قول کے مدلول و مفہوم پر مقدم کرنا لازم آئے گا۔

مزید بر آں کچھ ایسی سنتیں ہیں جو نماز تراویح کے مشابہ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار عمرہ کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کا ارشاد ہے: ”ایک عمرہ اگلے عمرہ تک کی درمیانی مدت کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے۔“ اس حدیث سے ایک سال میں مکرر عمرہ کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک سال میں ایک ہی عمرہ کیا تو اس کی وجہ سے مکرر عمرہ کا عدم جواز لازم آئے گا۔ اس لئے کہ آپ نے ایک سال میں مکرر عمرہ نہیں کیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل میں اضافہ کی ممانعت کا قائل ہو۔

اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی نماز پڑھنے پر آمادہ کیا ہے اور آپ سے اس نماز کو صرف ایک مرتبہ پڑھنا ثابت ہے۔ اب اس سے عمر میں ایک مرتبہ سے زائد نماز چاشت ادا کرنے کا بدعت ہونا لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ ایسی کوئی روایت نہیں ہے جس میں یہ آیا ہو کہ آپ نے ایک مرتبہ سے زائد نماز چاشت ادا کی ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں اضافہ کرنے سے منع کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ قولی سنت کا عموم بھی شریعت کا حصہ ہے جس سے استدلال کیا جاتا ہے چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیا ہو یا نہ کیا ہو، اس لئے کہ قول کے عموم کو قبول کرنے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ آپ نے ہر اس عمل کو انجام دیا ہو جس پر یہ عموم دلالت کر رہا ہے۔ بلکہ آپ کے عمل سے قولی سنت کی مزید تشریح و توضیح ہوتی ہے قولی و فعلی دونوں سنتوں کے ایک دوسرے کو مضبوط کرنے کی وجہ سے۔ رہی وہ صورت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ثابت نہ ہو تو وہاں آپ کا قول حجت ہو گا اور اس قول کو مضبوطی دینے کے لئے آپ کا فعل ضروری نہیں ہو گا مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان میں عمرہ کرنے پر آمادہ کرنا جبکہ آپ نے بذات خود رمضان میں عمرہ نہیں کیا۔ یہاں یہ کہنا صحیح نہیں ہو گا کہ رمضان میں عمرہ کرنا اس وجہ سے مشروع نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رمضان میں عمرہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ رمضان میں عمرہ کرنا مشروع ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی سنت اس پر دلالت کر رہی ہے اگرچہ آپ کے عمل سے اس کی توثیق نہیں ہوتی ہے۔

جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول دلالت کر رہا ہے اس کے کچھ حصہ پر آپ کا عمل بقیہ حصہ کی مشروعیت کے لئے مانع نہیں ہے جس پر آپ نے عمل نہیں کیا جبکہ وہ آپ کے قول کے عموم میں داخل ہے۔ بلکہ آپ کے قول کے جس

حصہ پر آپ کا عمل ثابت ہے اس میں دو سنتیں ہو گئیں، ایک قولی، دوسری فعلی اور جس حصہ پر آپ نے عمل نہیں کیا اس میں ایک سنت قولی موجود ہے۔ قول کے عموم کو یہ کہہ کر رد کرنا جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قول کے عموم کے ہر جزء پر عمل نہیں کیا ہے تاہم شیخ البانی نے ایسی ہی بات کہی ہے کیونکہ انہوں نے گیارہ رکعات میں اضافہ سے اس وجہ سے منع کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا ہے حالانکہ آپ نے بکثرت سجود کا حکم دیا ہے اور رات کی نماز کے عدد رکعات کو مطلق رکھا ہے۔ اگر شیخ البانی کے منہج کو اختیار کیا جائے تو بہت سی ان عبادات کو رد کرنا پڑے گا جنہیں سلف نے دین مانا ہے۔ اس کی مثالیں ابھی گزری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

پانچویں بات: افعال رسول کو نص کا نام دینا: شیخ البانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو نص کا نام دیا ہے۔ اس کی مثال شیخ کا یہ قول ہے: "اس لئے کہ رات کی نماز اس نص سے مقید ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔"

جواب: اس سے شیخ کی مراد یہ بیان کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز گیارہ رکعات تھی۔ اس طرح انہوں نے افعال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نص کا نام دیا ہے۔ اور ایسا کرنا محل نظر ہے۔ اس لئے کہ اصولیوں کے نزدیک نص اقوال کے اوصاف میں سے ہے، افعال کے اوصاف میں سے نہیں ہے۔

نص کی تعریف میں تلمسانی کا قول ہے: آپ یہ بات جان لیں کہ لفظ کے اندر یا تو دو معانی پائے جائیں گے یا صرف ایک معنی پایا جائے گا۔ اگر لفظ کے اندر وضعی طور پر صرف ایک معنی پایا جائے تو وہ نص ہے۔ ان کی بات ختم ہوئی۔

ان کا یہ بھی قول ہے: اس سے یہ بات سامنے آئی کہ لفظ یا تو نص ہو گا یا مجمل ہو گا یا ظاہر ہو گا یا مؤول (تاویل کیا ہوا) ہو گا۔

ان کا یہ بھی قول ہے: نص پر اعتراض صرف اس سمت سے ہو گا جس پر وہ دلالت نہیں کر رہا ہے۔ اس کی مثال یہ حدیث ہے: جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے اس برتن کو سات بار دھونا چاہئے۔[1]

---

(1) دیکھئے: مفتاح الوصول، ص (41، 42) ارشاد الفحول، ص (172)

چنانچہ افعال رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نص کا اطلاق علمائے اصول کے موقف کے برخلاف ہے۔ اصلاً اصطلاحات کا استعمال اس کے لئے ہوتا ہے جس کے لئے انہیں وضع کیا گیا ہے۔ تاکہ قاری کا ذہن علمی مسائل کا ان کی حقیقت کے ساتھ ادراک کرنے سے نہ پھرے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق سے نوازنے والا ہے۔

ساتواں موضوع: افعال اور اقوال کی دلالت کو مساوی کر دینا

شیخ البانی رحمہ اللہ اپنی کتاب "صلاۃ التراویح" کے صفحہ (32) پر لکھتے ہیں: چونکہ ہمارا زیر بحث مسئلہ (نماز تراویح) کا تعلق مطلق نوافل سے نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نص سے مقید نماز ہے جیسا کہ اس کی وضاحت اس فصل کے شروع میں کی جاچکی ہے۔ لہذا مطلق روایتوں کی وجہ سے اس قید کو معطل کرنا جائز نہیں ہے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو اپنی نماز میں صحیح سندوں سے منقول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ وہ کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے برخلاف نماز پڑھتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو فراموش کر دیتا ہے کہ "تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔" وہ اس خلاف ورزی کے لئے مطلق روایتوں کو بطور دلیل پیش کرتا ہے مثلاً وہ شخص جو نماز میں دو رکوع کرے یا دو سے زائد سجدے کرے۔ اس عمل کا فساد عقلمند کے لئے مخفی نہیں ہے۔ شیخ کی بات ختم ہوئی۔

جواب: اس رائے میں اشکال ہے۔ اس لئے کہ نماز تراویح میں اضافہ کو رباعی نماز میں اضافہ سے تشبیہ دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ نماز تراویح میں اضافہ کے قائلین ائمہ اسلام اور اہل ایمان واہل تقویٰ ہیں بلکہ اس پر مسلمانوں کا اجماع بھی نقل کیا گیا ہے لہذا یہ بعید بات ہے کہ اس طرح کے بلند پایہ ائمہ اور علماء اس شخص کی صف میں شامل ہو جائیں جو منصوص رکوع وسجود میں اضافہ کرتے ہیں۔

اس غلط استدلال کا سبب یہ ہے کہ شیخ البانی نے ان بلند پایہ ائمہ کے مقرر کردہ شرعی دلائل کی ترتیب کی کیفیت اور ان سے استنباط احکام کے طریقے کو اختیار نہیں کیا ہے کیونکہ ان ائمہ کے منہج میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے درمیان فرق کیا جائے گا۔ چنانچہ ان ائمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان افعال کو جن کا التزام آپ نے متعین طریقہ سے فرض نمازوں کو ادا کرنے کے لئے کیا آپ کے ان افعال کے مثل نہیں قرار دیا ہے جنہیں آپ نے متعدد طریقے سے انجام دیا مثلاً قیام اللیل کی نماز۔ چنانچہ ان ائمہ نے پہلی نماز (یعنی فرض) کی ادائیگی میں آپ کے اسوہ کو اختیار کرنے کو واجب قرار دیا

ہے یعنی اسے صرف اسی طرح ادا کیا جائے گا جس طرح آپ نے ادا کیا اور دوسری نماز (قیام اللیل) کی ادائیگی میں اختلاف کو مشروعیت کے بیان پر محمول کیا ہے۔ اس کے بعد ان ائمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے اس کے مشروع ہونے کا حکم مستنبط کیا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام اللیل میں نہیں کیا۔ اس طرح ان ائمہ نے قولی و فعلی تمام سنتوں پر عمل کیا اور انہیں بطور دلیل اختیار کیا لیکن شیخ البانی نے اس منہج کو نہیں اختیار کیا۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی خلاف ورزی کی جو بات کہی ہے اس میں انہوں نے بطور دلیل حدیث رسول "تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔" کے مفہوم کو سامنے رکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے قیام اللیل میں عدد رکعات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے عدد رکعات میں محصور کر دیا ہے اور اس عدد میں اضافہ کو باطل کر دیا ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے برخلاف ہے اور آپ کا حکم ہے کہ ہم آپ کی طرح نماز پڑھیں نہ کہ آپ کے برخلاف نماز پڑھیں۔

اس کا جواب: حدیث رسول "تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے" میں دو دلالتیں ہیں؛ ایک دلالت منطوق (لفظی دلالت) اور دوسری دلالت مفہوم۔ یہ حدیث منطوق یعنی لفظی اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مماثل نماز کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے اور اپنے مفہوم کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے برخلاف نماز پڑھنے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ کچھ مخصوص احادیث بھی آئی ہیں جو لفظی اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے عدد رکعات میں محصور ہوئے بغیر کثرت سجود کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ احادیث اوپر نقل کی گئی حدیث "صلوا كما رأيتموني أصلي" کے مفہوم کے برخلاف ہیں۔ اس سلسلہ میں علماء کا موقف یہ ہے کہ تعارض کے وقت منطوق (لفظی دلالت) کو مفہوم پر مقدم کیا جائے گا۔[1] اس لئے کہ اس کی دلالت زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اسی لئے علماء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام اللیل میں اضافہ کے مشروع ہونے کی بات کہی ہے۔ لیکن شیخ البانی نے اس کے برخلاف کیا ہے۔ انہوں نے مفہوم کو منطوق پر مقدم کر دیا ہے۔ اسی لئے انہوں نے رات کی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے ساتھ محصور کر دیا ہے اور اس میں اضافہ کو بدعت قرار دیا ہے۔ یہ صحیح منہج کے برخلاف ہے۔

---

(1) دیکھئے: ارشاد الفحول (40/2)

نیز حدیث رسول "صلوا كما رأيتموني أصلي" کی لفظی دلالت عام ہے۔ یہ حدیث ہیئت، صفت اور عدد سب میں آپ کی متابعت کے وجوب پر دلالت کرتی ہے تاہم عدد رکعات میں متابعت کا واجب نہ ہونا اس عموم کے دائرہ سے نکل کر خاص ہو گیا ایک دوسری حدیث "صلاة الليل مثنى مثنى" (رات کی نمازیں دو دو رکعات ہیں) کی وجہ سے۔ اس حدیث میں عدد رکعات مطلق ہے، اس کی کوئی تحدید نہیں ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مماثلت مطلوب تو ہے لیکن آپ کے قیام اللیل کے عدد رکعات میں مماثلت مطلوب نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسے خاص کرنے والی حدیث موجود ہے۔[1]

میں کہتا ہوں: جس نے حدیث رسول "صلوا كما رأيتموني أصلي" کے مفہوم کو مضبوطی سے پکڑا ہے اور اس کی وجہ سے گیارہ رکعات سے زائد تراویح کو بدعت قرار دیا ہے اس کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ حدیث رسول "خذوا عني مناسككم" (مجھ سے حج وعمرہ کے احکام و مسائل لو) کی وجہ سے ایک سال کے مکرر عمرہ اور عمر بھر میں چار سے زیادہ عمرہ کرنے کو بھی بدعت قرار دے۔ اس لئے کہ یہ دونوں ان مناسک میں سے نہیں ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ آپ نے ایک سال میں مکرر عمرہ نہیں کیا اور آپ نے عمر بھر میں چار سے زیادہ عمرے نہیں

---

(1) فضیلۃ الشیخ دکتور صالح الفوزان حفظہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ حدیث رسول "صلوا كما رأيتموني أصلي" فرض نمازوں کے سلسلہ میں آئی ہے۔ نفل نمازیں اس کے تحت نہیں آتی ہیں۔ اس لئے کہ فرض نمازوں میں آپ کی ادنیٰ مخالفت بھی جائز نہیں ہے، نہ عدد رکعات میں، نہ کیفیت میں، لیکن نفل نماز کا معاملہ اس کے برخلاف ہے۔ نفل نماز میں مسلمان کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اتنی ہی رکعات کی پابندی کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے بلکہ اس کے لئے اس عدد رکعات میں اضافہ اور کمی کرنا جائز ہے۔ نیز نفل نماز کی کیفیت میں بھی مسلمان کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی سہولت و استطاعت کے مطابق ادا کرے گا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز اتنی طویل ہوتی تھی کہ آپ کے دونوں پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ مسلمان کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اسی کیفیت کے ساتھ نفل نماز پڑھے۔ ان کی بات ختم ہوئی۔

میں کہتا ہوں: نفل نماز پڑھنے والا اپنی ذات کا امیر ہوتا ہے۔ اس کے لئے قیام پر قدرت رکھنے کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے لیکن فرض نماز کا معاملہ اس کے برخلاف ہے اصلاً حدیث رسول "صلوا كما رأيتموني أصلي" کو عموم پر محمول کیا جائے گا اور اس سے نفل نمازوں کے وہ احکام مستثنیٰ ہوں گے جن کے لئے دلیل موجود ہے۔ واللہ اعلم

کئے، لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نہیں کیا اس میں اضافہ سنت ترک ہے۔ شیخ البانی کی رائے کے مطابق اس حدیث رسول کو مقید کر دیا جائے گا جس میں آیا ہے کہ "العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما" (ایک عمرہ اگلے عمرہ تک کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے) اگرچہ انہوں نے اس طرح کی بات نہیں کہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جس چیز کو اصل بنایا ہے اس کے بر خلاف موقف خود انہوں نے اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم

آٹھواں موضوع: سنن مؤکدہ میں اضافہ کی ممانعت

شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب ہم اپنے ذہنوں میں یہ استحضار کرتے ہیں کہ سنن مؤکدہ اور ان کے علاوہ نماز کسوف و استسقاء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین رکعات کی پابندی کی ہے۔ علماء کے نزدیک یہ اس بات کی ٹھوس دلیل ہے کہ ان نمازوں کی رکعات میں اضافہ کرنا جائز نہیں ہے...... الخ

پھر انہوں نے حاشیہ میں اس پر بطور نوٹ لکھا ہے: اسی لئے بخاری نے جب اپنی صحیح میں یہ باب قائم کیا "باب الرکعتین قبل الظھر" (ظہر سے پہلے دو رکعات کا بیان) اور اس کے تحت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے دو رکعات ادا کرتے تھے تو اس کے فوراً بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت پیش کی ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعات کو ترک نہیں کرتے تھے۔" اس کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ ظہر سے پہلے کی دو رکعات حتمی تعداد نہیں ہے کہ ان میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر نے جو بات کہی ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے رکعات کی جو تحدید کر دی ہے اس میں اضافہ جائز نہیں ہے اور نماز تراویح اسی قبیل سے ہے۔ ان کی بات ختم ہوئی۔[1]

جواب: شیخ البانی کا کلام دو باتوں پر مشتمل ہے:

پہلی بات: اس کا تعلق حافظ ابن حجر کے کلام کی تفسیر سے ہے۔ اور وہ یہ کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنے اس کلام سے امام بخاری کے اس عمل کی وضاحت کر رہے ہیں جو انہوں نے اپنی صحیح میں یہ باب باندھ کر انجام دیا ہے "ظہر سے قبل دو

(1) رسالہ "صلاۃ التراویح" ص (22)

رکعات کا بیان" پھر اس کے تحت دو حدیثیں نقل کی ہیں جو عبد اللہ بن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ حافظ ابن حجر اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو نقل کرنے کا مقصد واضح ہے کہ اسی روایت کو سامنے رکھ کر امام بخاری نے باب قائم کیا ہے۔ جہاں تک عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا تعلق ہے تو ان کا یہ کہنا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعات کو ترک نہیں کرتے تھے۔" ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے امام بخاری کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ظہر سے پہلے کی دو رکعات حتمی تعداد نہیں ہے کہ ان میں اضافہ کرنا ممنوع ہے۔[(1)]

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ حافظ ابن حجر کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ امام بخاری نے "ظہر سے پہلے دو رکعات" کا باب قائم کر کے عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو جو نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعات کو ترک نہیں کرتے تھے۔ اس سے ان کی کیا منشا ہے؟ یہ عمل حافظ ابن حجر کا نہیں ہے جیسا کہ شیخ البانی نے ان کی طرف منسوب کیا ہے بلکہ یہ عمل امام بخاری کا ہے۔ حافظ ابن حجر تو صرف امام بخاری کے عمل کی وضاحت کر رہے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر کے کلام کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ظہر سے پہلے کی سنت دو رکعات تک محدود نہیں ہے بلکہ بغیر کسی تحدید کے اس میں اضافہ کرنا مشروع ہے۔ حافظ ابن حجر کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے اضافہ کو مطلق رکھا ہے۔ چونکہ انہوں نے اضافہ کو مطلق رکھا ہے لہٰذا ان کے کلام سے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ وہ ظہر سے قبل چار رکعات سے زیادہ پڑھنے کی حرمت کے قائل ہیں۔ اور جس نے ان کے کلام سے یہ سمجھا ہے کہ وہ چار رکعات سے زیادہ پڑھنے کی ممانعت کے قائل ہیں اس نے ان کے کلام کو اس پر محمول کیا ہے جس پر وہ دلالت ہی نہیں کرتا ہے چہ جائیکہ ان کے کلام پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ حافظ ابن حجر یا امام بخاری ظہر کی نفل میں چار رکعات سے زیادہ پڑھنے یا نماز تراویح میں گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنے کی حرمت کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم

دوسری بات: شیخ البانی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظہر کے بعد چار رکعات میں اضافہ کی ممانعت کے قائل ہیں بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن ورات میں جتنی رکعات ادا کی ہیں چاہے وہ مطلق نفل ہو یا سنن مؤکدہ ان میں اضافہ ممنوع ہے۔ اس طرح انہوں نے حکم کا دار و مدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا کی ہوئی رکعات کو قرار

---

(1) فتح الباری (3/58)

دیا ہے۔ اسی لئے انہوں نے تراویح کی رکعات میں اضافہ کے حکم اور غیر تراویح میں ادا کی گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکعات کو یکساں کر دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے دونوں صورتوں میں رکعات کے اندر اضافہ کو حرام کہا ہے اور ایسا کرنا غلط ہے۔ میرے خیال میں سلف میں سے کسی کا بھی یہ موقف نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل نمازوں کے سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ انہیں متعین عدد رکعات کے بغیر خواہش و استطاعت کے مطابق ادا کرنا مستحب ہے سوائے استثنائی صورت کے مثلاً انہیں ممنوع اوقات میں ادا کرنا۔ اس کی دلیل عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے: ”وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ مجھے نمازوں کی ادائیگی کے بارے میں بتائیے۔ آپ نے فرمایا: تم فجر کی نماز ادا کرو، پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو کر بلند ہو جائے، اس لئے کہ سورج شیطان کی دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔ پھر تم نماز پڑھو، اس لئے کہ اس وقت دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور نمازی کے نماز پڑھنے کی گواہی دیتے ہیں یہاں تک کہ سایہ ایک نیزہ کے برابر ہو جائے۔ پھر تم نماز سے رک جاؤ اس لئے کہ اس وقت جہنم کی آگ بھڑکائی جاتی ہے۔ پھر جب سایہ مشرق کی طرف ڈھل جائے تو نماز پڑھو، اس لئے کہ اس وقت بھی فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور نماز پڑھنے کی گواہی دیتے ہیں، یہاں تک کہ تم عصر کی نماز ادا کرو، پھر تم نماز سے رک جاؤ یہاں تک سورج غروب ہو جائے، اس لئے کہ وہ شیطان کی دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔“ اسے امام مسلم و امام احمد نے نقل کیا ہے۔ امام ابو داود نے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے جس کے شروع کے الفاظ یہ ہیں: ”اے اللہ کے رسول! رات کے کس حصہ میں (دعا) زیادہ سنی جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں، لہذا تم اس وقت جتنی نمازیں چاہو پڑھو، اس لئے کہ اس وقت کی نماز کو لکھنے کے لئے فرشتے موجود ہوتے ہیں اور اس کے گواہ بنتے ہیں یہاں تک کہ تم فجر کی نماز ادا کرو۔“[1]

---

(1) المنتقی میں اسی طرح منقول ہے، نیل الأوطار (3/102)

امام بخاری نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ میں اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح میں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں کسی کو اس کی خواہش کے مطابق رات اور دن میں نماز پڑھنے سے نہیں روکتا ہوں الا یہ کہ لوگ سورج کے طلوع ہونے اور اس کے غروب ہونے کا خیال نہ رکھیں۔[1]

عام نفلی نمازوں کا یہی حکم ہے کہ انہیں بلا سبب اور عدد رکعات کی تحدید کے بغیر ادا کیا جائے گا تاہم ان میں سے کچھ کو سبب سے مربوط کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی فضیلت بڑھادی گئی ہے اور اس کی نوعیت اور عدد رکعات کی تحدید کر دی گئی ہے مثلاً سنن مؤکدہ جن کا سبب ان کا فرائض سے مربوط ہونا ہے اور مثلاً تحیۃ المسجد، وضو کے بعد کی سنت اور احرام باندھنے کے بعد کی دو رکعات۔

سنن مؤکدہ وغیرہ کو جو فضیلت حاصل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان نمازوں کو ادا کرنے کی وجہ سے یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ ان کے عدد رکعات میں اضافہ ممنوع ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے ظہر کے بعد دس رکعات پڑھ لی تو یہ ساری نمازیں نفل شمار ہوں گی جن پر نمازی کو اجر ملے گا۔ ان میں سے پہلی چار رکعات ظہر کی سنن مؤکدہ شمار ہوں گی اور باقی مطلق نفل شمار ہوں گی جو کہ غیر ممنوع وقت میں ادا کی گئیں۔ ان نمازوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ شروع کی چار رکعات بقیہ رکعات سے افضل ہوں گی۔ اس لئے کہ وہ سبب سے مربوط ہیں اور وہ سبب ان کا ظہر کی سنت مؤکدہ ہونا ہے۔ نیز افضلیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ادا کیا ہے۔ بقیہ رکعات ایک سبب کی وجہ سے مستحب شمار ہوں گی اور وہ سبب یہ ہے کہ انہیں ایسے وقت میں ادا کیا گیا ہے جب فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں۔ یہاں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فضیلت یافتہ نفلیں غیر فضیلت یافتہ نفلوں کو حرام کرنے والی ہیں جیسا کہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ رات کی نمازوں کے عدد رکعات کو ان نوافل کے عدد رکعات پر قیاس کیا جائے جنہیں سبب سے مربوط ہونے کی وجہ سے ممنوع وقت میں ادا کرنا مشروع ہے۔ اس لئے کہ سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیام اللیل میں عدد رکعات مطلق ہے اس حدیث رسول کی وجہ سے کہ "رات کی نماز دو دو رکعات ہیں۔" رہی سبب سے مربوط نوافل جنہیں ممنوع وقت میں ادا کرنا مشروع ہے تو ان کی مشروعیت پر دلالت کرنے والے دلائل اس کے متقاضی ہیں کہ ان

---

(1) صحیح البخاری مع الفتح (62/2)

کے عدد رکعات محدود و متعین ہوں، لہذا عصر کے بعد چار رکعات تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں ہے اور نہ چار رکعات فجر کی سنت پڑھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ ممنوع اوقات میں ادا کی جارہی ہیں لہذا اس مسئلہ میں دلائل کے متعارض ہونے کی وجہ سے جتنی رکعات متعین ہیں انہیں پر اکتفاء کرنا واجب ہے۔ اس مسئلہ میں متعارض دلائل کے درمیان جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ سبب سے مربوط نوافل کو متعین عدد رکعات کے ساتھ ادا کرنے پر اکتفاء کیا جائے گا اور ان کے رکعات میں اضافہ ممنوع ہو گا۔ نیز انہیں اسی کیفیت کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے جو منقول ہے۔ چنانچہ ممنوع وقت میں فجر کی دو رکعات سنت اور تحیۃ المسجد کو لمبی کرنا مشروع نہیں ہے۔

رہا قیام اللیل کا معاملہ تو اس مسئلہ میں دلائل آپس میں متعارض نہیں ہیں بلکہ قرآن و سنت کے تمام دلائل اس پر متفق ہیں کہ تہجد گزار اپنی چاہت و استطاعت کے مطابق جتنی چاہے پڑھ سکتا ہے۔ پھر شیخ البانی کیسے اپنے لئے یہ جائز سمجھتے ہیں کہ وہ قیام اللیل کے عدد رکعات میں اضافہ اور فجر کی دو رکعات سنت میں اضافہ کو مساوی قرار دیں جبکہ دونوں نمازوں کے دلائل ایک دوسرے سے مختلف ہیں؟[1]

نواں موضوع: سنت ترک سے استدلال

شیخ البانی نے نماز تراویح کی گیارہ رکعات میں اضافہ کے عدم جواز پر اس سے بھی استدلال کیا ہے جسے شیخ علی محفوظ نے بیان کیا ہے کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے ترک کر دیا جبکہ اس پر عمل کرنے کا تقاضہ موجود تھا تو اسے ترک کرنا سنت ہے اور اس پر عمل کرنا مذموم بدعت ہے۔ پھر شیخ البانی نے علی محفوظ کا قول ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد شیخ البانی کہتے ہیں: عمومی دلائل کو مضبوطی سے پکڑ لینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور اپنے ترک سے جس چیز کو واضح کر دیا ہے اس سے غفلت برتنا دراصل متشابہ کی پیروی کرنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ اگر ہم عمومی دلائل پر تکیہ کر لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور ترک عمل سے جو کچھ واضح ہوتا ہے اسے نظر انداز کر دیں تو اس کی وجہ سے بدعات کا بہت بڑا دروازہ کھل جائے گا جسے بند کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ اور دین میں نئی ایجاد کا نہ

(1) دیکھئے: رسالہ "صلاۃ التراویح"، ص(32)

ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا........ الخ پھر انہوں نے اس کی کئی مثالیں پیش کی ہیں مثلاً رغائب کی نماز، شعبان کی نماز اور عیدین وکسوف وتراویح کے لئے اذان دینا۔[1]

جواب: اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھنے کو سنت ترک مانا جائے کیونکہ گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنے کا تقاضہ موجود تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل نہیں کیا لہذا اسے ترک کرنا سنت ہے اور اس پر عمل کرنا بدعت ہے۔ ایسا کہنا صحیح نہیں ہے۔ اس موقف کے غلط ہونے کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے سنت ترک اور فعل کے مفہوم کے درمیان فرق نہیں کیا ہے جبکہ فعل کا معتبر مفہوم موجود ہو۔ اسی طرح شیخ البانی نے شیخ علی محفوظ رحمہ اللہ کے کلام کے مراد کو سمجھنے میں بھی غلط موقف اختیار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے علی محفوظ کے کلام سے بے موقع ومحل استشہاد کیا ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے اصولیوں کے نزدیک فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف احوال کی وضاحت کریں۔ چنانچہ ماہرین اصول کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے تین احوال ہیں:

پہلی حالت: فعل کو انجام دینا۔ جب یہ ثابت ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فعل کو انجام دیا ہے تو وہ فعل سنت ہے مثلاً نماز تراویح۔ ماہرین اصول نے اس فعل کے معتبر ہونے کے لئے چھ شرطیں عائد کی ہیں۔ اس کی تفصیل ان کی کتابوں میں موجود ہے۔

دوسری حالت: فعل کو ترک کرنا۔ اور وہ یہ ہے کہ قابل استدلال سند سے یہ ثابت ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو ترک کیا ہے مثلاً آپ کا آگ پر پکی ہوئی چیز کو استعمال کرنے کے بعد وضو کو ترک کرنا اور آپ کا ظلم پر گواہ بننے کو ترک کرنا۔ اس سلسلہ میں ماہرین اصول کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا اسے فعل سمجھا جائے گا یا نہیں۔[2]

تیسری حالت: فعل کو انجام دینے یا ترک کرنے کے بارے میں کچھ بھی منقول نہ ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کسی فعل کو کرنے یا ترک کرنے کے سلسلہ میں کوئی روایت منقول نہ ہو مثلاً نماز شروع کرتے وقت الفاظ

---

(1) دیکھئے: رسالہ "صلاۃ التراویح" ص(33،32)

(2) دیکھئے: شاطبی کی الموافقات (4/58)

کے ساتھ نیت کرنے کے بارے میں کچھ بھی منقول نہ ہونا نیز تراویح کے لئے غسل کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کچھ بھی منقول نہ ہونا۔ کچھ ماہرین اصول کی رائے میں یہ سنت ترک ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک عمل کو نقل کئے جانے کی دو قسمیں ہیں اور دونوں سنت ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اس کی صراحت کی ہو کہ آپ نے ان کاموں کو ترک کیا ہے اور انہیں انجام نہیں دیا ہے۔

دوسری قسم: صحابہ کا کسی ایسے کام کو نقل نہ کرنا کہ اگر آپ نے اسے انجام دیا ہوتا تو اسے نقل کرنے کے ارادے اور محرکات وافر طور پر موجود تھے لیکن صحابہ کی اکثریت نے یا ان میں سے کسی ایک نے بھی اسے نقل نہیں کیا اور نہ کسی مجمع میں اس کے بارے میں کچھ بیان کیا تو اس سے یہی معلوم ہوا کہ وہ کام عمل میں نہیں آیا تھا......... الخ[1]

دکتور محمد عروسی کہتے ہیں: ترک کی دو قسمیں ہیں اور دونوں سنت ہیں:

پہلی قسم: یہ ہے کہ صراحت کے ساتھ ترک منقول ہو مثلاً کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو ترک کیا......... الخ

دوسری قسم: صحابہ کا اس کام کو نقل نہ کرنا جسے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا ہوتا تو ارادے اور محرکات موجود تھے کہ صحابہ کی اکثریت یا ان میں سے کسی ایک نے اسے نقل کیا ہوتا۔ اب چونکہ ان میں سے کسی نے نقل نہیں کیا ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ترک کیا ہے۔[2] ان کی بات ختم ہوئی۔

جمہور ماہرین اصول اور تمام محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ سنت ترک نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک سنت وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے قول یا فعل یا تقریر کی شکل میں منقول ہو۔ ماہرین اصول نے سنت کی یہی تعریف کی ہے۔ محدثین نے اس میں جسمانی یا اخلاقی صفت کا اضافہ کیا ہے۔ کچھ محدثین نے صحابی اور تابعی کے قول کو بھی حدیث میں داخل کیا ہے۔ اس تعریف کی رو سے جو چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے ثابت نہ ہو وہ سنت نہیں ہے۔ اس لئے

---

(1) إعلام الموقعين (2/389، 390)

(2) دیکھئے: أفعال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ودلالتها على الأحكام، ص (211)

کہ اگر وہ اسے سنت قرار دیں گے تو سنت ترک کو وضع کرنے کا دروازہ کھل جائے گا اور ہر کس و ناکس کے لئے یہ آسان ہو جائے گا کہ وہ اس چیز کو سنت قرار دے جو سنت نہیں ہے؛ لہذا اس معاملہ میں اعتبار و بھروسہ صحیح سندوں پر ہے، جو چیز سند کے ساتھ ثابت ہوگی وہ سنت ہے اور جو سند سے ثابت نہیں ہوگی وہ سنت نہیں ہے۔

ابن النجار سنت ترک کی تعریف میں کہتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ منقول ہو کہ آپ نے اس کام کو ترک کیا ہے تو وہ بھی سنت فعلی میں شمار ہوگا مثلاً روایت میں یہ آیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ پیش کیا گیا تو آپ نے ہاتھ روک لیا اور اسے تناول نہیں کیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ہاتھ روک لیا اور اسے نہیں کھایا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے یہ واضح کر دیا کہ یہ حلال ہے لیکن آپ کو ذاتی طور پر وہ پسند نہیں ہے۔ لیکن سنت کی اس قسم کے لئے یہ قید ہے کہ راوی نے اسے ترک کرنے کی صراحت کی ہو یا روایت کرنے والے راوی کے نزدیک یہ قرائن موجود ہوں کہ آپ نے اسے ترک کیا ہے۔[1] ان کی بات ختم ہوئی۔

اس سے یہ موقف راجح قرار پاتا ہے کہ جسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نقل نہ کیا ہو اسے سنت ترک نہیں کہا جائے گا۔ اس کا حکم وہی ہوگا جو اصل فعل کا حکم ہے۔ اگر اصل فعل حظر اور توقیف ہے مثلاً عبادات تو اسے کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے نہیں کہ وہ سنت ترک ہے بلکہ اس وجہ سے کہ عبادات میں اصل توقیف وحظر ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: "جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے عمل کے موافق نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔" نیز اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے: "جس نے ہمارے اس دین میں ایسی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

رہی یہ صورت جس میں اصل فعل کا مباح ہونا ہے مثلاً معاملات اور پہناوے تو وہ مباح ہوں گے جب تک کہ کوئی ایسی شرعی دلیل نہ مل جائے جو اسے اس کی اصل سے باہر نکالنے والی ہو مثلاً مردوں کے لئے ریشم پہننا۔ اسے سنت ترک کہنا جائز نہیں ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس نے عبادات کی جنس سے تعلق رکھنے والی چیز کو سنت ترک کہا ہے وہ معاملات کی جنس سے تعلق رکھنے والی چیز کو بھی سنت ترک کہے۔ چنانچہ جو ان دونوں معاملات میں خلاف ورزی کرے اس کے عمل کے بدعت ہونے کا حکم لگائے۔ یہ موقف سلف امت کے موقف کے بر خلاف ہے۔

---

(1) شرح الکوکب المنیر (2/165)

اور اگر وہ عبادات و معاملات دونوں میں سنت ترک کا قائل نہیں ہے تو پھر وہ متضاد موقف کا حامل ہو گا کیونکہ جو چیز منقول نہیں ہے اسے وہ ایک مرتبہ سنت ترک کہے گا اور ایک مرتبہ اسے سنت ترک نہیں کہے گا۔ یہ جائز نہیں ہے کہ ایک ہی سنت پر ایک مرتبہ عمل کیا جائے مثلاً معاملات اور ایک مرتبہ اسے ترک کر دیا جائے مثلاً عبادات۔

رہا عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں ادا کیا۔" تو وہ اضافہ کے بغیر ایک فعلی سنت کے واقع ہونے کے سلسلہ میں نص ہے۔ انہوں نے آپ کے ایک فعل کے بارے میں روایت کی ہے اور انہوں نے گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھنے کو ثابت کیا ہے لیکن انہوں نے یہ نہیں بیان کیا ہے کہ آپ نے اضافہ کو ترک کیا۔ ان دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ اس نفی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک سنت ترک کا انتساب شامل نہیں ہے بلکہ اس نفی میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک فعل کے واقع نہ ہونے کی صرف خبر دی ہے۔

ترک کرنے کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کسی فعل کو ترک کرنے کے مقصد کا اثبات شامل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے سنت ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب افعال کا نام ہے۔ یہ سنت ہی کی ایک قسم ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کرنا تبھی صحیح ہے جب یہ قابل استدلال سند سے منقول ہو۔ اس سے ہمارے لئے یہ واضح ہو گیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد اس بات کا یقینی علم ہونے کی نفی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات میں اضافہ کیا۔ اس میں اس کا اثبات شامل نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً گیارہ رکعات میں اضافہ کو ترک کیا۔ اس لئے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اضافہ کی نفی کرنا البانی رحمہ اللہ کی پیش کردہ اس روایت کے معارض نہیں ہے جسے انہوں نے اپنی کتاب "صلاۃ التراویح" کے صفحہ (83) پر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر سمیت تیرہ رکعات ادا کرتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے پہلی روایت میں اس کی نفی کی ہے جس کا انہیں علم نہیں تھا۔ پھر دوسری روایت میں انہوں نے اسے ثابت کیا ہے جس کا انہیں علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات سے زیادہ بھی پڑھا ہے۔

یہ تعارض اس میں ہے کہ پہلے مرحلہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو اضافہ کا علم نہیں تھا پھر دوسرے مرحلہ میں انہیں اضافہ کا علم ہوا تو انہوں نے پہلے جس کی نفی کی تھی اسے علم ہو جانے پر ثابت کیا۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ان کا اثبات ان کی نفی پر مقدم ہو گا۔ اس لئے کہ نفی کی بنیاد کسی چیز سے عدم واقفیت پر ہوتی ہے اور اثبات کی بنیاد کسی چیز سے واقفیت ہونے

پر ہوتی ہے۔ کسی چیز سے ناواقف ہونا علم کے ذریعہ اس کا انکار کرنے سے زیادہ قوی نہیں ہے چہ جائیکہ لاعلمی کو علم پر مقدم کیا جائے۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی گیارہ رکعات میں اضافہ کی نفی سنت ترک ہے لہذا اس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو اضافہ کرنا منقول ہے اسے رد کر دیا جائے یا کتاب اللہ میں جو کچھ آیا ہے اور سنت کے ذخیرہ میں جو قولی حدیثیں قیام اللیل کے عدد رکعات کے مطلق ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور آسانی کے ساتھ جتنی رکعات ادا کی جاسکیں اس کے استحباب اور رات کی نماز میں کثرت سجود کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں ان سب کو اس کے ذریعہ خاص کر دیا جائے گا۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے جو موقف اپنایا ہے اس میں انہوں نے ان سب باتوں کی خلاف ورزی کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیارہ رکعات میں اضافہ کا علم نہ ہونے کو کتاب اللہ کے عمومی حکم اور احادیث نبویہ کے ذخیرہ میں منقول روایتوں پر مقدم کر دیا ہے جن میں عدد رکعات کے تعین کے بغیر زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھنے کی مشروعیت کا بیان ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اضافہ کی نفی کرنا سنت ترک ہے لہذا عام اور مطلق نصوص کو اس کی طرف لوٹانا واجب ہے، کیونکہ یہ روایت عمومی روایتوں کی مقید ہے اور ان کے عموم کو خاص کرنے والی ہے۔

شیخ البانی نے اتنے ہی پر اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ جمہور کا مسلک ہے اور شیخ علی محفوظ کے کلام کا مطلب بھی یہی ہے۔ اسی لئے شیخ البانی نے علی محفوظ کے کلام سے استشہاد کیا ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ شیخ علی محفوظ کی مراد یہ ہے کہ اس سنت ترک سے استدلال کیا جائے گا جس میں کسی فعل کو ترک کرنے کی صراحت ہے۔ ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ افعال کے مخالف مفہوم کو سنت ترک قرار دے دیا جائے گا۔ اس کی دلیل خود شیخ علی محفوظ کے کلام سے پیش کی جارہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کسی فعل کو کئے جانے یا ترک کرنے کی جہاں صراحت آئی ہے اس سے غفلت برتنے کی مذمت کی ہے۔ پھر جب انہوں نے اس کی مثالیں ذکر کی ہیں تو انہوں نے سنت ترک کی دو قسموں میں سے ایک قسم کی مثال پیش کی ہے اور وہ ہے جسے صحابہ نے اس لئے نقل نہیں کیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو انجام نہیں دیا ہے مثلاً رغائب کی نماز، پندرہویں شعبان کی نماز، نماز عیدین، کسوف اور تراویح کے لئے اذان دینا، نماز کے کسی ذکر کو اس کی جگہ کے بجائے کسی دوسری جگہ رکھنا۔ پھر انہوں نے اس کے لئے یہ قاعدہ بنایا ہے: جس عمل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقاضہ موجود ہونے کے باوجود ترک کر دیا اسے ترک کرنا سنت اور اسے انجام دینا بدعت ہے۔

شیخ علی محفوظ کی مراد صحیح ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ انہوں نے مثال میں جن اعمال کو پیش کیا ہے وہ یقینی طور پر بدعت ہیں۔ میرا ان سے اختلاف اس میں ہے کہ انہوں نے ان اعمال کو سنن ترک کہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں حالانکہ یہ وہ امور ہیں جن پر عبادات میں اصل حظر ہے کے تحت حکم لگایا گیا ہے۔

رہا نماز تراویح میں اضافی رکعات کا معاملہ تو یہ اوپر بیان کردہ مثالوں سے کسی بھی طرح مشابہ نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ البانی کا نماز تراویح کی اضافی رکعات کے بارے میں یہ سمجھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کا تقاضہ موجود ہونے کے باوجود اِسے ترک کیا ہے نیز یہ اضافہ شیخ علی محفوظ کی دی ہوئی مثالوں کے مماثل ہے، صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ شیخ علی محفوظ نے جو قاعدہ بیان کیا ہے اور جو مثالیں انہوں نے پیش کی ہیں وہ نئے ایجاد کردہ اعمال کے سلسلہ میں ہیں جن کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول میں کوئی قولی یا فعلی دلیل نہیں ہے۔ کوئی شخص رغائب کی نماز کے استحباب یا عیدین و تراویح کے لئے اذان کی دلیل کیسے پیش کر سکتا ہے۔ اس طرح کے اعمال خود بخود دلیل نہ ہونے کی وجہ سے نئی ایجاد اور بدعت پر مبنی ہیں۔ ان اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی رجب وشعبان کے مہینے میں نماز تراویح کو مستحب سمجھتا ہو۔

رہی بات ماہ رمضان میں نماز تراویح کی تو یہ مشروع ہے۔ قولی و فعلی سنت اس کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہیں بلکہ اِس کے مشروع ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ خواہش پرستوں کے علاوہ کوئی اس کے برخلاف موقف نہیں رکھتا ہے۔ نیز قولی سنت اور قرآنی آیات رات کی نماز کو زادِ راہ بنانے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں اور نماز تراویح رات کی نماز کا حصہ ہے۔ علاوہ ازیں نماز تراویح سے متعلق فعلی سنت ان عمومی احکام کے برخلاف نہیں ہے بلکہ ان کا ایک حصہ ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول کے بعض حصہ پر عمل کیا ہے۔ عمومی احکام اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام نہیں دیا ہے، دونوں الگ الگ امور ہیں۔ جسے آپ نے انجام نہیں دیا ہے اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے لہذا اس سے کتاب و سنت کے عمومی احکام کو خاص نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اضافی رکعات کے ساتھ نماز تراویح پڑھنے والے اور رغائب کی نماز پڑھنے والے کے درمیان بھلا کس طرح کی مشابہت ثابت کی جا سکتی ہے؟

جو شخص دونوں معاملے کو یکساں سمجھتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو کتاب و سنت کے عمومی احکام سے ثابت مشروع اعمال کو انجام دینے والے کو اس شخص کے مشابہ سمجھتا ہے جس نے ایسا عمل کیا جس کی مشروعیت کتاب اللہ اور سنت مطہرہ سے ثابت نہیں ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ جو لوگ تراویح کی گیارہ رکعات میں اضافہ کے مستحب ہونے کے قائل ہیں

وہ ائمہ اسلام کی ایک کثیر تعداد ہے بلکہ اس پر مسلمانوں کا اجماع بھی ہو چکا ہے۔ پھر کیسے یہ صحیح ہو سکتا ہے نماز تراویح کی اضافی رکعات سے متعلق ان کے عمل اور فتاوی کو اس فتوی کی صف میں رکھ دیا جائے جس میں بدعات کے مشروع ہونے کی بات کہی گئی ہو؟ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں اس عمل کی توفیق دے جو اسے پسند ہے اور جس سے وہ راضی ہوتا ہے اور ہمیں دین میں بدعات سے محفوظ رکھے آمین۔

تیسرا مبحث

شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ کے دو مقالے کا تنقیدی جائزہ

ہمارے استاذ شیخ علامہ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ کی دو کتابوں میں شامل دو مقالے میری نگاہوں سے گزرے جن میں انہوں نے نماز تراویح کے احکام سے متعلق چند اہم گوشوں پر گفتگو کی ہے۔ ان دونوں مقالوں پر میرے چند ملاحظات ہیں جن سے میں نے یہاں آگاہ کر دینا مناسب سمجھا ہے۔

پہلا مقالہ: اس میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں: گیارہ رکعات تراویح کی یہ تعداد وہ ہے جس کی دلیل سنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی شکل میں موجود ہے نیز عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں آپ کی اتباع کی ہے۔ چنانچہ یہ سب سے بہتر و مکمل اور عمدہ راہ ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”الذي خلق الموت والحياة ليبلوكم أيكم أحسن عملا“ (وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے موت و زندگی کو پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے) اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا ہے کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ عمل کرنے والا ہے۔ اور سب سے اچھا وسب سے مکمل عمل وہ ہے جس میں اللہ کے لئے اخلاص کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود ہو اور اس میں سختی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی گئی ہو۔ اس اعتبار سے گیارہ رکعات یا تیرہ رکعات تراویح ہی افضل اور عمدہ ہے۔ اسی کے ساتھ اگر کوئی شخص تیئیس (23) رکعات یا تینتالیس (43) رکعات یا انچاس (49) رکعات یا سترہ (17) رکعات تراویح پڑھتا ہے تو اس پر بھی کوئی نکیر نہیں ہے، اس لئے کہ اس نماز کے عدد رکعات کے بارے میں علماء کی مختلف رائے ہے۔[1] ان کی بات ختم ہوئی۔

جواب: شیخ ابن عثیمین کے اس کلام پر دو ملاحظات ہیں:

---

(1) الضیاء اللامع، ص (469)

پہلا ملاحظہ: ان کے اِس قول کے سلسلہ میں ہے کہ یہ عدد یعنی گیارہ رکعات وہ ہے جس کا ثبوت سنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی صورت میں موجود ہے اور اس میں عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کی اتباع کی ہے لہذا یہ سب سے بہتر و مکمل اور عمدہ راہ ہدایت ہے۔

جواب: یہ بات معروف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان میں کسی متعین عدد رکعات کا التزام نہیں کیا، کیونکہ آپ نے سات، نو، گیارہ اور تیرہ رکعات پڑھی ہے۔ یہ تمام اعداد آپ کے تعلق سے منقول ہیں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ کئی سنتیں مل کر ایک سنت کے درجہ میں ہوتی ہے جبکہ ان کی دلالتیں متحد ہوں۔ یہاں اس شخص کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے جس نے صرف گیارہ رکعات کو سب سے بہتر و مکمل اور عمدہ راہ ہدایت کہا ہے بلکہ اِن میں سے ہر ایک عدد ہدایت، حق اور دین ہے۔ اگر صرف فعل رسول ہونے کی وجہ سے ان اعداد میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے کی بات ہو تو نو رکعات کو فضیلت حاصل ہو گی کیونکہ صحیح مسلم (6/27) میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت آئی ہے کہ "جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بھاری ہو گیا تو آپ نے نو رکعات ادا کی۔ اس کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو چاہتے کہ اس پر ثابت قدم رہیں۔" آخری عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نماز تھی جس پر آپ نے ثابت قدم رہنا پسند کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر کے عمل کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔ مگر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ فضیلت تو طویل وقت تہجد کو حاصل ہے۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ اگر کسی متعین عدد کو فضیلت حاصل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عدد کا التزام کیا ہوتا، لہذا کسی متعین عدد کا التزام نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں سے کسی ایک عدد کو دوسرے عدد پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام نمازیں فضیلت میں برابر ہیں اس لئے کہ آپ نے اس نماز کا التزام کیا جسے بآسانی ادا کر سکتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ خیال نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جب آپ نے سات یا نو رکعات پڑھی تو آپ نے اس نماز کو ترک کیا جسے آپ بآسانی ادا کر سکتے تھے یا یہ کہ آپ کی گیارہ رکعات نماز ہی فضیلت یافتہ نماز تھی۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق نہیں ہے جو اس نے آپ کو اور آپ کی امت کو رات کی نماز میں بآسانی قرآن کی تلاوت کرنے کی صورت میں دیا ہے۔

اس بناء پر آپ کی رات کی نماز میں عدد رکعات کا مختلف ہونا اور اوقات کا تفاوت اس کی فضیلت میں اثر انداز نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ وہ نمازیں تھیں جنہیں آپ نے عمر بھر بآسانی ادا کیا اور بسہولت ادا کرنے کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور اس کی پابندی کی۔ قیام اللیل میں آخری درجہ کی فضیلت کو حاصل کرنے کے دو راستے ہیں: ایک تہجد گزاری کو طویل کر کے اور

دوسرے نماز کو طویل کرکے۔ کتاب وسنت کے نصوص سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے لیکن اس کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں آسانی اور سہولت کا خیال رکھا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فاقرءوا ما تيسر منه"[1] (سوتم بآسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو) نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے: "ما أنزلنا عليك القرآن لتشقى"[2] (ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے) چنانچہ جب ایک تہائی رات تک قیام اللیل کرنا آسان ہو اور آدھی رات تک قیام اللیل کرنے میں دشواری ہو تو ایک تہائی رات تک قیام اللیل کرنا افضل ہوگا اور اگر مشقت نہ ہو تو آدھی رات تک قیام اللیل کرنا افضل ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره"[3] (پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا) یہی حال طویل نماز کا ہے۔ فضیلت کے معاملہ میں وہ طویل تہجد گزاری کے حکم میں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدد رکعات کو فضیلت طویل وقت تہجد اور طویل نماز کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ جس نے ایک تہائی رات میں نو رکعات ادا کی اس کی نماز ایک تہائی رات میں گیارہ رکعات ادا کرنے والے کی نماز سے افضل ہے، اس لئے کہ نو رکعات گیارہ رکعات کے مقابلہ میں زیادہ طویل تھی۔ اور جس نے ایک تہائی رات تک گیارہ رکعات ادا کی تو وہ ایک تہائی رات تک تیئیس (23) رکعات ادا کرنے سے افضل ہے اور جس نے نصف رات میں تیئیس (23) رکعات ادا کی وہ اس سے افضل ہے جس نے ایک تہائی رات میں گیارہ رکعات ادا کی۔ اس افضلیت کا سبب وقت تہجد کا طویل ہونا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے اعداد کے اختلاف کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ اس لئے کہ آپ ہر رات اتنی ہی نماز پڑھتے تھے جس کی ادائیگی آپ کے لئے آسان ہوتی تھی۔ واللہ اعلم

---

(1) سورۃ المزمل/20

(2) سورۃ طہ/2

(3) سورۃ الزلزلۃ/7

دوسرا ملاحظہ: ان کے اِس قول سے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "الذي خلق الموت والحياة ليبلوكم أيكم أحسن عملا"[1] (جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں کہا کہ تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں زیادہ عمل کرنے والا کون ہے۔

جواب: اچھا عمل جیسا کہ شیخ نے بھی کہا ہے، وہ ہے جو اللہ کے لئے آخری حد تک خالص ہو اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سختی کے ساتھ پیروی کی گئی ہو۔ اچھا ہونے کے اوصاف میں اس کا کم ہونا شامل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اچھے عمل کی کثرت مطلوب ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره"[2] (پس جو ذرہ برابر بھی نیک عمل کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا) اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وفي ذلك فليتنافس المتنافسون"[3] (سبقت لے جانے والوں کو اسی میں سبقت لے جانی چاہئے) چنانچہ جس نے زیادہ عمل کیا اور اس کا عمل اچھا بھی ہے تو وہ اس عمل سے افضل ہے جو اس کے مقابلہ میں کم ہو۔ اس لئے کہ اچھا عمل کرنے میں مقابلہ آرائی مطلوب ہے۔ شیخ ابن عثیمین نے آیت کی جو تفسیر کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس تفسیر سے یہ لازم آتا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہو: تم میں سب سے کم عمل کرنے والا کون ہے۔ اس لئے کہ کثرت کی ضد قلت ہی ہے تو جب کثرت کی نفی کردی جائے گی جیسا کہ شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں تو عمل کی قلت ہی مطلوب ہو گی اور یہ آیت کے مفہوم کے موافق نہیں ہے۔ اس لئے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھا عمل کرنے کے معاملہ میں تفاضل ہے یعنی ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے اور اچھے عمل کی ضد قبیح عمل ہے، اس کی ضد کثیر عمل نہیں ہے بلکہ اچھے عمل کی کثرت خیر میں اضافہ ہے جبکہ وہ عمل اس قبیل سے ہو جس کے بارے میں صحیح وصریح نصوص وارد ہیں اور اس عمل کو زیادہ سے زیادہ انجام دینے کی ترغیب دیتے ہیں مثلاً قیام اللیل۔ شیخ ابن عثیمین اس کے برخلاف نہیں ہیں کہ ایک تہائی رات تک قیام اللیل کرنا رات کے چھٹے حصہ تک قیام اللیل کرنے سے افضل ہے اور آدھی رات تک قیام اللیل کرنا ایک تہائی رات تک قیام اللیل کرنے سے افضل ہے اور دو تہائی رات تک قیام اللیل کرنا

---

(1) سورۃ الملک/2

(2) سورۃ الزلزلۃ/7

(3) سورۃ المطففین/26

نصف رات تک قیام اللیل کرنے سے افضل ہے۔ اس افضلیت کا سبب کثرت ہی ہے۔ اگر کثرت اچھی نہ ہوتی تو رات کے چھٹے حصہ تک قیام اللیل کرنا آدھی رات تک قیام اللیل کرنے سے افضل ہوتا، اس لئے کہ وہ زیادہ کم ہے۔

اسی طرح آدھی رات تک ادا کی گئی گیارہ رکعات نماز ایک تہائی رات تک ادا کی گئی سات رکعات سے افضل ہے اور دو تہائی رات تک ادا کی گئی تئیس (23) رکعات نماز اس مدت میں اس سے کم عدد رکعات والی نماز سے افضل ہے۔ اس افضلیت کا سبب کثرت ہی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آیت کا جو یہ مفہوم سمجھا گیا ہے کہ نیک اعمال کی کثرت مطلوب نہیں ہے اور شریعت میں اس کی ترغیب نہیں دی گئی ہے خاص طور پر قیام اللیل میں، وہ صحیح نہیں ہے۔

ہر وہ عبادت جسے زیادہ سے زیادہ انجام دینے کی نصوص میں ترغیب دی گئی ہے وہ آیت کے اس مفہوم میں داخل ہے مثلاً صدقات۔ چنانچہ اہلیت و استطاعت رکھنے والے شخص کا ایک ہزار کا صدقہ اس کے ایک سو کے صدقہ سے افضل ہے۔ اس افضلیت کا سبب کثرت ہے نہ کہ قلت۔

اعمال خیر اور عبادات کے معاملہ میں یہی اصل ہے۔ ہاں البتہ عبادات کی کچھ ایسی قسمیں ہیں جن کی فضیلت یافتہ کثرت کی تحدید کر دی گئی ہے کیونکہ سنت میں اس تحدید کی دلیل موجود ہے۔ چنانچہ نفلی روزے کی کثرت مستحب ہے لیکن مطلق طور پر نہیں بلکہ اس کی مستحب کثرت کی آخری حد یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھا جائے اور اگلے دن روزہ چھوڑ دیا جائے۔ صیام دہر یعنی ہر دن روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ سنت میں اس کی دلیل موجود ہے۔ اسی قبیل سے فجر کی سنت کو ہلکی پڑھنے کا مستحب ہونا بھی ہے اور اسے دو رکعات سے زیادہ پڑھنے کا مکروہ ہونا بھی ہے۔ اس لئے کہ یہ نفل کی ادائیگی کے وقت میں ہونے کے باوجود اصل کے خلاف ہے کیونکہ یہ بات معلوم و متحقق ہے کہ ممانعت کا وقت طلوع فجر کے بعد شروع ہوتا ہے اور یہی وہ وقت ہے جس میں فجر کی دو رکعات سنت پڑھنا مشروع ہے لہذا یہ ضروری ہے کہ ان دو رکعات کو اسی طرح ادا کیا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تاکہ تمام دلائل کے درمیان جمع و تطبیق ہو جائے۔ اسی قبیل سے ممنوع اوقات میں اسباب سے مربوط نمازوں کی ادائیگی ہے۔ چنانچہ ان کے تعلق سے بھی مشروع یہی ہے کہ جو ثابت ہے اسی پر اکتفاء کیا جائے۔ اس کی ایک مثال نماز عید اور نماز کسوف میں رکعات کی تعداد ہے۔ اسی طرح سال بھر پوری رات قیام اللیل کرنا مکروہ ہے۔ ان عبادات کی تحدید کا سبب دلیل کا موجود ہونا ہے، نہ یہ کہ اس اصل کے تحت کے کم عمل زیادہ عمل سے افضل ہے۔

اس بناء پر نماز تراویح کو اس کے مثل سمجھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی رکعات کو زیادہ کرنے سے روکنے والی کوئی مخالف دلیل موجود نہیں ہے اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره"[1] (جو شخص ذرہ برابر بھی نیک عمل کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا)

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آیا ہے کہ "جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپ اپنی رات کو عبادت سے آباد کرتے تھے، اپنے اہل وعیال کو بیدار کرتے تھے اور تہہ بند کو مضبوطی سے باندھ لیتے تھے۔" جیسا کہ صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ نیز نسائی نے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ "میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہ رکھی۔ آپ پوری رات نماز میں مشغول رہے، یہاں تک کہ طلوع فجر کے ساتھ آپ نے رات کی نماز سے سلام پھیرا۔" الحدیث۔ نووی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

مکروہ یہ ہے کہ ہمیشہ پوری پوری رات نماز ادا کی جائے۔ کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی ہے کہ تم دن میں روزہ رکھتے ہو اور پوری رات نماز پڑھتے ہو۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔ روزہ رکھو اور روزہ چھوڑ دو، رات میں نماز پڑھو اور سو بھی جاؤ......... " الحدیث

اس حدیث میں ہمیشہ ساری رات قیام اللیل کرنے کی ممانعت ہے اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ راتوں میں پوری رات قیام اللیل کرتے تھے اور کچھ راتوں میں نہیں کرتے تھے۔ امام نووی نے اپنی کتاب "الخلاصۃ" میں یہ باب قائم کیا ہے: "ہمیشہ پوری رات نماز پڑھنے کی کراہت اور مداومت کے بغیر کچھ راتوں میں پوری رات نماز پڑھنے کا مستحب ہونا" ص(588)

---

(1) سورۃ الزلزلۃ/7

دوسرا مقالہ

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں رات کی نماز میں سے ایک نماز وتر بھی ہے۔ یہ سب سے کم ایک رکعت اور سب سے زیادہ گیارہ رکعات ہے۔ وتر کی نماز کے لئے نمازی کو اختیار ہے چاہے تو وہ ایک رکعت پڑھے یا تین رکعات یا پانچ رکعات یا سات رکعات یا نو رکعات یا گیارہ رکعات پڑھے۔

پھر انہوں نے بیان کیا ہے کہ تین رکعات وتر پڑھنے کے دو طریقے ہیں۔ یا تو تینوں رکعات کو ایک سلام سے پڑھے یا دو رکعات پڑھ کے سلام پھیر دے پھر تیسری رکعت ادا کرے۔

رہی پانچ، سات اور نو رکعات نماز وتر تو اس کے لئے انہوں نے ایک ہی طریقہ بیان کیا ہے کہ ان سب کو ایک ہی سلام سے پڑھے گا۔ ہاں البتہ انہوں نے نو رکعات نماز وتر کے سلسلہ میں کہا ہے کہ اس میں وہ آٹھویں رکعت میں تشہد کے لئے بیٹھے گا۔

رہی گیارہ رکعات نماز وتر تو اس کی ادائیگی کے لئے انہوں نے دو طریقے بیان کئے ہیں: ایک یہ کہ نمازی ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیرے گا اور اخیر میں ایک رکعت ادا کرے گا۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ گیارہ رکعات کو ایک تشہد سے ادا کرے گا یا دو تشہد سے بھی ادا کر سکتا ہے۔ ایک تشہد آخری رکعت میں کرے اور ایک تشہد آخری سے پہلے والی رکعت (یعنی دسویں رکعت) میں کرے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ فقہائے حنابلہ وشافعیہ کا مسلک ہے۔ ان کی بات ختم ہوئی۔

جواب: نماز وتر کو ادا کرنے کی یہ تفصیل حق ہے لیکن اس پر دو ملاحظات بھی ہیں:

پہلا ملاحظہ: شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کے کلام کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پانچ، سات اور نو رکعات وتر ادا کرنے کا صرف وہی طریقہ مشروع ہے جو انہوں نے بیان کیا ہے اور انہوں نے پانچ، سات اور نو رکعات والی وتر کو دو دو رکعات کے ذریعہ اور اخیر میں ایک رکعت مستقل سلام کے ذریعہ ادا کرنے کا تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن انہوں نے تین اور گیارہ رکعات وتر کا طریقہ بتاتے وقت منصوص طور پر یہ صراحت کی ہے کہ انہیں دو دو رکعات کرکے ادا کیا جائے گا اور اخیر کی ایک رکعت مستقل سلام کے ذریعہ ادا کی جائے گی۔ جب میں نے اس سلسلہ میں ان سے رجوع کیا تو انہوں نے بتایا کہ پانچ، سات اور نو رکعات وتر پڑھنے سے متعلق احادیث میں کہیں یہ بات نہیں آئی ہے کہ انہیں ادا کرنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ انہیں دو دو رکعات

کرکے ادا کیا جائے گا بلکہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ایک سلام سے ادا کرنے کا قصد کرتے تھے۔ ان کی بات ختم ہوئی۔

تاہم اس کے باوجود صحیح بات یہ ہے کہ ان سب کو بھی دو دو رکعات کرکے ادا کرنا مشروع ہے بلکہ یہ طریقہ انہیں ایک ساتھ ایک سلام سے ادا کرنے سے افضل ہے کیونکہ صحیحین میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رات کی نماز دو دو رکعات ہے۔ جب تم میں سے کسی کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ ایک رکعت وتر ادا کرلے۔" یہ حدیث عام ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رات کی ہر نماز کے لئے یہی مشروع ہے کہ اسے دو دو رکعات کرکے ادا کیا جائے چاہے اس کی تعداد جو بھی ہو کیونکہ ان اعداد کو خاص کرنے کے لئے کوئی دوسری دلیل موجود نہیں ہے لہذا یہ نمازیں بھی حدیث کے عموم میں داخل ہیں۔ رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نمازوں کو اس طریقہ سے ادا کی ہے جو مذکورہ حدیث کے مفہوم کے برخلاف ہے تو اس سے ان نمازوں کی ادائیگی کے طریقہ کا تنوع معلوم ہوتا ہے، نہ یہ کہ صرف اسی طریقہ سے ادا کی جائے گی، کیونکہ ان نمازوں کو دو دو رکعات پڑھنا قولی سنت کی وجہ سے مشروع ہے اور انہیں ایک ساتھ ایک سلام سے پڑھنا فعلی سنت ہے اور قول وفعل کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، اس لئے کہ انہیں تنوع پر محمول کیا گیا ہے۔ اور اگر فرض کرلیا جائے کہ قول وفعل میں تعارض ہے تو قول کو فعل پر مقدم کرنا واجب ہوگا۔ چنانچہ ان نمازوں کو دو دو رکعات پڑھنا مشروع ہوگا۔ اس لئے کہ قول فعل سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ فعل کو ذاتی خصوصیت پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے لیکن قول ذاتی خصوصیت نہیں ہوتا ہے۔ یہی اصول فقہ کا طے شدہ قاعدہ ہے۔

علامہ ابن مفلح رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نو رکعات وتر پڑھنے والا چاہے تو اسے ایک سلام کے ذریعہ پڑھے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے اور چاہے تو وہ دو دو رکعات کرکے پڑھے۔ جن کا موقف اس کے برخلاف ہے ان کے بارے میں ابن مفلح رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ وہ اس دوسرے طریقہ کو افضل کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو بیان جواز کی صورت قرار دیتے ہیں۔ پھر انہوں نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد نے اس طریقہ کے جائز ہونے کی منصوص طور پر صراحت کی ہے۔ پھر نو، سات اور پانچ رکعات وتر کے تذکرہ کے اختتام پر انہوں نے لکھا ہے کہ ابن عقیل نے ان تمام نمازوں کی ادائیگی کی دو صورتیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیرا جائے اور

اخیر میں ایک رکعت وتر ادا کی جائے اور یہی زیادہ صحیح طریقہ ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آٹھ رکعات ایک ساتھ ادا کی جائے اور آٹھویں رکعت میں سلام پھیر کے پھر ایک رکعت ادا کی جائے۔[1] ان کی بات ختم ہوئی۔

دوسرا ملاحظہ: شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے تین رکعات اور گیارہ رکعات وتر پڑھنے کا جو طریقہ ذکر کیا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، اس لئے کہ انہوں نے ان میں سے ہر طریقہ کی دلیل پیش کی ہے اور یہ نہیں بتایا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ان دونوں طریقے کو یکساں قرار دیا ہے جیسا کہ ان کے کلام کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے جہاں انہوں نے حدیث رسول "صلاة الليل مثنى مثنى" (رات کی نماز دو دو رکعات ہے) کی تشریح کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اس روایت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ رات کی نماز میں ہر دو رکعات کے درمیان فصل کرنا متعین ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں: حدیث کے سیاق سے یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ مبتدا کا انحصار خبر کے اوپر ہے۔ جمہور نے اسے افضل کی وضاحت پر محمول کیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے برخلاف کرنا ثابت ہے۔ لیکن اس حدیث سے یہ متعین نہیں ہوتا کہ اس میں افضل طریقہ کا بیان ہے بلکہ ممکن ہے کہ حدیث میں ادائیگی کے ہلکے اور آسان طریقہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہو، اس لئے کہ ہر دو رکعات کے درمیان سلام پھیرنا نمازی کے لئے اس کے مقابلہ زیادہ آسان ہے کہ وہ لگاتار چار یا اس سے زیادہ رکعات پڑھے کیونکہ دو دو رکعات پڑھنے میں آرام ہے اور اس بیچ کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو اس کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے۔ اگر وصل (یعنی ایک ساتھ پڑھنا) صرف بیان جواز کے لئے ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پابندی نہ کی ہوتی۔ اور جس کا یہ دعویٰ ہو کہ یہ طریقہ آپ کے ساتھ خاص تھا تو اس کے ذمہ دلیل و وضاحت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فصل کے ساتھ بھی پڑھا اور وصل کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔[2]

ظاہر یہ ہے کہ فصل وصل سے افضل ہے۔ اس لئے کہ فصل میں دو سنتیں ہیں: ایک قولی سنت اور دوسری فعلی سنت۔ قولی سنت یہ حدیث رسول ہے: "صلاة الليل مثنى مثنى" (رات کی نماز دو دو رکعات ہے) اور فعلی سنت یہ ہے کہ آپ

---

(1) المبدع (2/6)

(2) فتح الباری (2/479)

صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو رکعات کر کے فصل کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ صحیحین میں منقول عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے۔ رہا وصل کے ساتھ پڑھنا تو اس میں صرف ایک سنت ہے یعنی فعلی سنت۔ جس نماز کی ادائیگی میں دو سنتیں ہوں وہ اس نماز کے مقابلہ میں راجح ہو گی جس میں صرف ایک سنت ہے۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ قولی سنت فعلی سنت پر مقدم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ قولی سنت امت سے خطاب کی حیثیت رکھتی ہے اور فعلی سنت کے بارے میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہو۔ نیز اکثر علماء کا مسلک یہی ہے کہ فصل کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔(1)

رہا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ قول کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصل کرنا صرف بیان جواز کے لئے ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت نہ کی ہوتی۔ ہم کہتے ہیں: یہ مواظبت صرف بیان جواز کے لئے نہیں تھی بلکہ یہ مشروعیت اور افضلیت کے بیان کے لئے بھی تھی لیکن مشروع عمل شرعی دلائل کی وجہ سے افضلیت میں ایک دوسرے سے متفاوت بھی ہوتا ہے اور فصل کرنے میں دو سنتیں آئی ہیں۔

نیز یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ امت کے مقام و مرتبہ کی طرح نہیں ہے۔ چنانچہ جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فضیلت یافتہ ہو گا وہ امت کے لئے غیر فضیلت یافتہ ہو گا، لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وصل کرنا افضل تھا تو آپ نے زیادہ تر وصل کے ساتھ پڑھا اور امت کے لئے فصل کرنا افضل ہے لہذا آپ نے امت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "رات کی نماز دو دو رکعات ہے۔" اس کی دوسری مثال روزہ کا وصال ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ میں وصال کیا ہے اور امت کو وصال کرنے سے منع کیا ہے۔ پھر آپ نے امت کو وقت سحر تک وصال کرنے کی اجازت دی، لیکن امت کے لئے وصال کو ترک کرنا افضل ہے۔

حافظ ابن حجر کا مذکورہ بالا کلام جس باب میں آیا ہے اس سے اگلے باب میں جو بات انہوں نے کہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فصل اور وصل کو یکساں قرار دینے کے معاملہ میں ان کی رائے بدل گئی تھی چنانچہ وہاں پر انہوں نے فصل کو وصل سے افضل قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: یہ قول کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز دو دو رکعات ادا کرتے تھے، اس سے

---

(1) دیکھئے: المغنی (2/123)، المجموع (3/501)

فصل کے افضل ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ آپ نے اس کا حکم بھی دیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ رہا وصل کرنا تو اس کی دلیل صرف آپ کا عمل ہے۔[1] ابن حجر رحمہ اللہ کی بات ختم ہوئی۔

وصل کرنے کے بھی تین طریقے ہیں: ایک طریقہ یہ ہے کہ چار رکعات ایک سلام سے پڑھے، پھر چار رکعات ایک سلام سے پڑھے، پھر وتر پڑھے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سلام کے ذریعہ وتر کو فصل نہ کرے جیسا کہ نو، سات اور پانچ رکعات والی نماز کے سلسلہ میں گزر چکا ہے۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دن کی نماز میں دو رکعات پر سلام پھیرنا یا چار رکعات پر سلام پھیرنا یکساں ہے۔ دن میں اس سے زیادہ رکعات ایک ساتھ نہیں پڑھے گا۔ رات کی نماز ایک سلام سے دو رکعات، چار رکعات، چھ رکعات اور آٹھ رکعات تک پڑھ سکتا ہے لیکن آٹھ رکعات سے زیادہ ایک سلام سے نہیں پڑھے گا۔[2] ہاں البتہ ان کی یہ رائے بھی ہے کہ وتر کی نماز صرف تین رکعات ایک سلام سے پڑھی جائے گی۔ انہوں نے اس روایت کی تاویل کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ایک سلام سے نو اور سات رکعات وتر پڑھنے کی آئی ہے۔[3]

تیسرا طریقہ: یہ ہے کہ نو رکعات ایک سلام سے پڑھے، پھر دو رکعات ادا کرے جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ادا کیا۔

جمہور کہتے ہیں: رات کی نفل نماز صرف دو دو رکعات کر کے پڑھنا جائز ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں: اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ ابو یوسف اور محمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ پھر ابن قدامہ نے حدیث رسول: "صلاة الليل مثنىٰ مثنىٰ" (رات کی نماز دو دو رکعات ہے) کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔[4]

---

(1) فتح الباری (2/486)

(2) المجموع (3/501)

(3) دیکھئے: شرح فتح القدیر وملحقاتہ (1/426، 428)

(4) دیکھئے: المغنی (2/123، 124)

رہی جمہور کی رائے وصل کے دوسرے طریقہ کے سلسلہ میں یعنی سلام کے ذریعہ وتر کو فصل نہ کرے تو ان کا اس پر اتفاق ہے کہ اس طریقہ سے پڑھنا جائز ہے۔ ان کا اختلاف اس میں ہے کہ وتر کے ساتھ ملا کر ایک ساتھ پڑھنے میں افضل عدد کونسا ہے۔ (1)

ظاہر یہی ہے کہ وتر کو تنہا الگ سلام کے ساتھ پڑھنا اسے دو، چار اور چھ رکعات کے ساتھ ملا کر ایک سلام سے پڑھنے سے افضل ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: رات کی نماز دو دو رکعات ہے، جب تم میں سے کسی کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ ایک رکعت وتر پڑھ لے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رات کی نماز کو دو دو رکعات کر کے پڑھنا اسے وتر کے ساتھ ملا کر ایک سلام سے پڑھنے سے افضل ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حدیث جس میں ایک یا تین یا پانچ رکعات وتر پڑھنے کا اختیار دیا گیا ہے وہ تمام طریقہ سے افضلیت کے بغیر وتر پڑھنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے، لہذا وہ ایک عام حدیث ہے لیکن یہ حدیث کہ "رات کی نماز دو دو رکعات ہے۔ جب تم کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت وتر پڑھ لو۔" خاص ہے کیونکہ اس میں ایک رکعت وتر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ نمازی رات کی دو دو رکعات نماز سے فارغ ہو گیا ہو لہذا خاص کو عام پر مقدم کرنا ضروری ہے۔ یہی بات واضح ہو کر میرے سامنے آئی ہے۔ واللہ اعلم۔ وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين والتابعين لهم بإحسان إلى يوم الدين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

تحریر کردہ

استاذ دکتور ابراہیم صبیحی

1436/1/1ھ

(1) المغنی (150/2)

موضوعات کی فہرست

مقدمہ طباعت دوم

اس مقالہ میں میرا منہج

تمہید

رخصتوں اور شاذ اقوال کی تلاش میں رہنے کی ممانعت

پہلا مبحث: نماز تراویح کے احکام

پہلا حکم: تہجد کے وقت کو طویل کرنے کی فضیلت سے متعلق قرآن کی دلالت

دوسرا حکم: نماز کے اختتام تک امام کی متابعت کی فضیلت

تیسرا حکم: قیام اللیل میں رکعات کی تعداد

چوتھا حکم: نماز تراویح کو ہلکی کرنا

پانچواں حکم: گیارہ رکعات کو دوسرے عدد پر فضیلت دینے پر اشکال

چھٹا حکم: امام کے سلام پھیرنے کے بعد وتر کو جفت رکعت میں بدلنے کا حکم

خلاصہ

ساتواں حکم: سفر وحضر کی نماز میں امام کے برخلاف کرنے کی جائز صورتیں

آٹھواں حکم: قیام اللیل اور نماز تراویح کے درمیان فصل کرنا

نواں حکم: اماموں کا جفت رکعات کے ساتھ وتر کو ملانا

دسواں حکم: بعض خلف کے ذریعہ سلف سے ثابت عدد رکعات تراویح کی مخالفت

دوسرا مبحث: شیخ البانی رحمہ اللہ کے رسالہ "صلاۃ التراویح" کا تنقیدی جائزہ

پہلا موضوع: ان کا یہ ماننا کہ لوگوں کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز گیارہ رکعات تھی۔

دوسرا موضوع: یہ دعویٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات پڑھنے کا التزام کیا

تیسرا موضوع: تیئیس رکعات والی نماز سے متعلق روایت کی تضعیف کا تنقیدی جائزہ

چوتھا موضوع: البانی کا اجماع کی مخالفت کرنا

پانچواں موضوع: نماز تراویح کو نماز استسقاء و نماز کسوف سے تشبیہ دینا

شیخ البانی کی رائے کا مطالعہ

چھٹا موضوع: عام اور مطلق اور مقید و فعل کے درمیان تفریق نہ کرنا

ساتواں موضوع: افعال اور اقوال کی دلالت کو مساوی کر دینا

آٹھواں موضوع: سنن مؤکدہ میں اضافہ کی ممانعت

نواں موضوع: سنت ترک سے استدلال

تیسرا مبحث: شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ کے دو مقالے کا تنقیدی جائزہ

موضوعات کی فہرست